زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ماہ نامہ

اشراق

مارچ 2024ء

مدیر: سید منظور الحسن

اشراق آڈیو

مدیر آڈیو: محمد حسن الیاس

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

ماہ نامہ

اشراق

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

زیر سرپرستی

جاوید احمد غامدی

مدیر

سید منظور الحسن

جلد ۲ شمارہ ۳ مارچ ۲۰۲۴ء شعبان/رمضان ۱۴۴۵ھ

مدیر آڈیو اشراق: محمد حسن الیاس مدیر انتظامی: فرحان سید

مجلس تحریر: ریحان احمد یوسفی، ڈاکٹر عمار خان ناصر، ڈاکٹر عرفان شہزاد، محمد ذکوان ندوی، نعیم بلوچ

معاون مدیر: شاہد محمود

فہرست

شذرات

روزہ — جاوید احمد غامدی — 3

تہجد کی نماز / تراویح کی نماز — جاوید احمد غامدی — 6

لیلۃ القدر — سید منظور الحسن — 14

قرآنیات

البیان: البقرہ 2: 111-121 (7) — جاوید احمد غامدی — 19

معارف نبوی

احادیث — جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس — 22

مقامات

معجزۂ فن — جاوید احمد غامدی — 24

www.ghamidi.org

غامدی سینٹر آف اسلامک لرننگ، المورد امریکہ

دین و دانش

شق القمر: غامدی صاحب کا موقف (8) — سید منظور الحسن — 26

نقطۂ نظر

نظم و ضبط اور ٹیلنٹ کی کشمکش — ڈاکٹر عرفان شہزاد — 32

قدیم مفسرین کے تسامحات اور مولانا فراہیؒ (3) — ابو سعد اعظمی — 34

مختارات

وفات سلیمان علیہ السلام — علامہ شبیر احمد ازہر — 42

سیر و سوانح

حیاتِ امین (7) — نعیم احمد بلوچ — 47

ادبیات

راز داں — جاوید احمد غامدی — 53

حالات و وقائع

خبر نامہ "المورد امریکہ" — شاہد محمود — 55

جاوید احمد غامدی

روزہ

نماز اور زکوٰۃ کے بعد تیسری اہم عبادت روزہ ہے۔ عربی زبان میں اِس کے لیے 'صوم' کا لفظ آتا ہے جس کے معنی کسی چیز سے رک جانے اور اُس کو ترک کر دینے کے ہیں۔ شریعت کی اصطلاح میں یہ لفظ خاص حدود و قیود کے ساتھ کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات سے رک جانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں اِسی کو روزہ کہتے ہیں۔ انسان چونکہ اِس دنیا میں اپنا ایک عملی وجود بھی رکھتا ہے، اِس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اُس کا جذبۂ عبادت جب اُس کے عملی وجود سے متعلق ہوتا ہے تو پرستش کے ساتھ اطاعت کو بھی شامل ہو جاتا ہے۔ روزہ اِسی اطاعت کا علامتی اظہار ہے۔ اِس میں بندہ اپنے پروردگار کے حکم پر اور اُس کی رضا اور خوشنودی کی طلب میں بعض مباحات کو اپنے لیے حرام قرار دے کر مجسم اطاعت بن جاتا اور اِس طرح گویا زبان حال سے اِس بات کا اعلان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے حکم سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اگر قانون فطرت کی رو سے جائز کسی شے کو بھی اُس کے لیے ممنوع ٹھیرا دیتا ہے تو بندے کی حیثیت سے زیبا یہی ہے کہ وہ بے چون و چرا اِس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ اللہ کی عظمت و جلالت اور اُس کی بزرگی اور کبریائی کے احساس و اعتراف کی یہ حالت، اگر غور کیجیے تو اُس کی شکر گزاری کا حقیقی اظہار بھی ہے۔ چنانچہ قرآن نے اِسی بنا پر روزے کو خدا کی تکبیر اور شکر گزاری قرار دیا اور فرمایا ہے کہ اِس مقصد کے لیے رمضان کا مہینا اِس لیے خاص کیا گیا ہے کہ قرآن کی صورت میں

اللہ نے جو ہدایت اِس مہینے میں تمھیں عطا فرمائی ہے اور جس میں عقل کی رہنمائی اور حق و باطل میں فرق و امتیاز کے لیے واضح اور قطعی حجتیں ہیں، اُس پر اللہ کی بڑائی کرو اور اُس کے شکر گزار بنو۔ اِس کا منتہاے کمال یہ ہے کہ آدمی روزے کی حالت میں اپنے اوپر مزید کچھ پابندیاں عائد کر کے اور دوسروں سے الگ تھلگ ہو کر چند دنوں کے لیے مسجد میں بیٹھ جائے اور زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کرے۔ اصطلاح میں اِسے اعتکاف کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ رمضان کے روزوں کی طرح لازم تو نہیں کیا گیا، لیکن تزکیۂ نفس کے نقطۂ نظر سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔ روزہ و نماز اور تلاوت قرآن کے امتزاج سے جو خاص کیفیت اِس سے پیدا ہوتی اور نفس پر تجرد و انقطاع اور تبتل الی اللہ کی جو حالت طاری ہو جاتی ہے، اُس سے روزے کا اصلی مقصود درجۂ کمال پر حاصل ہوتا ہے۔

روزے کی تاریخ

نماز کی طرح روزے کی تاریخ بھی نہایت قدیم ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ روزہ مسلمانوں پر اُسی طرح فرض کیا گیا، جس طرح وہ پہلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ تربیت نفس کی ایک اہم عبادت کے طور پر اِس کا تصور تمام مذاہب میں رہا ہے۔

روزے کا مقصد

اِس کا مقصد قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ لوگ خدا کا تقویٰ اختیار کر لیں۔ قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنے شب و روز کو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر رکھ کر زندگی بسر کرے اور اپنے دل کی گہرائیوں میں اِس بات سے ڈرتا رہے کہ اُس نے اگر کبھی اِن حدود کو توڑا تو اِس کی پاداش سے اللہ کے سوا کوئی اُس کو بچانے والا نہیں ہو سکتا۔

روزے کا قانون

اِس کا قانون درج ذیل ہے:

روزے کی نیت سے اور محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کھانے پینے اور بیویوں کے ساتھ تعلق سے اجتناب ہی روزہ ہے۔ یہ پابندی فجر سے لے کر رات کے شروع ہونے تک ہے، لہٰذا روزے

کی راتوں میں کھانا پینا اور بیویوں کے پاس جانا بالکل جائز ہے۔ روزوں کے لیے رمضان کا مہینا خاص کیا گیا ہے، اِس لیے جو شخص اِس مہینے میں موجود ہو، اُس پر فرض ہے کہ اِس پورے مہینے کے روزے رکھے۔ بیماری یا سفر کی وجہ سے یا کسی اور مجبوری کے باعث آدمی اگر رمضان کے روزے پورے نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوسرے دنوں میں رکھ کر اُس کی تلافی کرے اور یہ تعداد پوری کر دے۔ حیض و نفاس کی حالت میں روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ تاہم اِس طرح چھوڑے ہوئے روزے بھی بعد میں لازماً پورے کیے جائیں گے۔ روزے کا منتہاے کمال اعتکاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی شخص کو اِس کی توفیق دے تو اُسے چاہیے کہ روزوں کے مہینے میں جتنے دنوں کے لیے ممکن ہو، دنیا سے الگ ہو کر اللہ کی عبادت کے لیے مسجد میں گوشہ نشین ہو جائے اور بغیر کسی ناگزیر انسانی ضرورت کے مسجد سے باہر نہ نکلے۔ آدمی اعتکاف کے لیے بیٹھا ہو تو روزے کی راتوں میں کھانے پینے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن بیویوں کے پاس جانا اُس کے لیے جائز نہیں رہتا۔ اعتکاف کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اِسے ممنوع قرار دیا ہے۔

جاوید احمد غامدی

تہجد کی نماز / تراویح کی نماز

[یہ تحریر ”میزان“ سے لی گئی ہے۔ اس کتاب میں اسے نفل نمازوں کے ذیل میں ”رات کی تنہائی میں“ کے زیر عنوان ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔]

شب و روز کی پانچ نمازوں کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رات میں ایک اور نماز بھی لازم کی گئی تھی۔ اِسے بالعموم صلوٰۃ اللیل یا تہجد کی نماز کہا جاتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے ’نَافِلَةً لَّكَ‘[1] کے الفاظ سے اِس کی تصریح فرمائی ہے۔ پھر سورۂ مزمل میں مزید وضاحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو انذار عام کا حکم دیا تو اِس کے لیے بطور خاص اِس نماز کی ہدایت فرمائی۔ قرآن کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ، قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلاً، نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلاً، اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلاً، اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلاً ثَقِيْلاً، اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلاً،

”اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے، رات کو کھڑے رہو، مگر تھوڑا۔ آدھی رات یا اُس سے کچھ کم کر لو یا اُس پر کچھ بڑھا دو اور (اپنی اِس نماز میں) قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھو۔ اِس لیے کہ عنقریب ایک

[1]۔ 79:17۔ ”یہ تمھارے لیے اِن کے علاوہ ہے۔“

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِيۡلًا، وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَيۡهِ تَبۡتِيۡلًا.

(1-8:73)

بھاری بات کا بوجھ ہم تم پر ڈال دیں گے۔ رات کا یہ اٹھنا، درحقیقت دل کی جمعیت اور بات کی درستی کے لیے بہت موزوں ہے۔ اِس لیے کہ دن میں تو (اِس کام کی وجہ سے) تمھیں بہت مصروفیت رہے گی۔ (لہٰذا اِس وقت پڑھو) اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور (رات کی اِس تنہائی میں) سب سے ٹوٹ کر اُسی کے ہو رہو۔“

عام مسلمانوں کے لیے یہ ایک نفل نماز ہے اور جنھیں اللہ تعالیٰ توفیق دے، اُن کے لیے بڑی سعادت کی بات ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں اِس کا اہتمام کریں۔ بیان کیا گیا ہے کہ آپ اِس نماز کی زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں پڑھتے اور اِس میں بہت لمبا رکوع و سجود اور قیام کرتے تھے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ بعض روایتوں میں تیرہ رکعتوں کا ذکر بھی ہوا ہے، لیکن اِس کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ نماز چونکہ فرض تھی، اِس لیے آپ کبھی کبھی اِس سے پہلے یا اِس کے بعد اُسی طرح دو رکعت نفل نماز پڑھتے تھے، جس طرح ہم، مثلاً فجر سے پہلے یا مغرب کے بعد یہ نفل پڑھتے ہیں، لیکن بعض لوگوں نے غلطی سے اُسے اصل کے ساتھ شامل سمجھ لیا۔[2] اِس باب میں بنیادی حیثیت جس روایت کو حاصل ہے، وہ یہ ہے:

عن أبي سلمة بن عبد الرحمٰن أنه أخبره أنه سأل عائشة رضی الله عنها: كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وسلم فی رمضان؟ فقالت: ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد فی رمضان ولا فی

”عبد الرحمٰن کے بیٹے ابو سلمہ نے بتایا کہ اُنھوں نے سیدہ عائشہ سے پوچھا: رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیا ہوتی تھی؟ سیدہ نے جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ رمضان میں کبھی گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھتے

[2]۔ بخاری، رقم 1138۔ 1140۔ مسلم، رقم 1788۔

غیرہ علی إحدی عشرۃ رکعۃ. (بخاری، رقم 1147)

تھے اور نہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز بالعموم جن طریقوں سے پڑھتے تھے یا آپ نے اِسے پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے، وہ یہ ہیں:

1۔ دو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے، پھر ایک رکعت سے یہ نماز وتر کر دی جائے۔[3]

2۔ دو دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا جائے، پھر پانچ رکعتیں اِس طرح پڑھی جائیں کہ اُن میں قعدہ صرف آخری رکعت میں کیا جائے۔[4]

3۔ چار چار رکعتیں عام طریقے سے پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے، پھر تین رکعتیں قعدے کے بغیر مسلسل پڑھ کر آخری رکعت میں قعدہ کیا جائے اور اُس کے بعد سلام پھیرا جائے۔[5]

4۔ دو یا چار یا چھ یا آٹھ رکعتیں قعدے کے بغیر مسلسل پڑھ کر آخری رکعت میں قعدہ کیا جائے، پھر سلام پھیرے بغیر اٹھ کر ایک رکعت پڑھی جائے اور قعدے کے بعد سلام پھیرا جائے۔[6]

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نماز میں پہلے سراً و جہراً، دونوں طریقوں سے قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی تھی، بعد میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اِن کے بین بین کا لہجہ اختیار کیا جائے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلاً. (بنی اسرائیل 17:110)

''اور (اوپر جو نماز، اے پیغمبر، خاص تم کو پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے)، تم اپنی اُس نماز کو نہ بہت زیادہ بلند آواز سے پڑھو، نہ بہت پست آواز سے، بلکہ اِن

---

[3] ۔ بخاری، رقم 992، 1137۔ مسلم، رقم 1717، 1748۔

[4] ۔ مسلم، رقم 1720۔ ابوداؤد، رقم 1338، 1358، 1359۔

[5] ۔ بخاری، رقم 1147۔ مسلم، رقم 1723۔

[6] ۔ مسلم، رقم 1739۔

دونوں کے درمیان کا طریقہ اختیار کرو۔‘‘

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کے بعد اپنے صحابہ کو بھی اِسی کا پابند کیا۔ ابو قتادہ کی روایت ہے کہ حضور نے صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمھارے پاس سے گزرا تو تم (رات کی نماز میں) بہت پست آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا: میں اُسے سناتا ہوں جو میری سرگوشی سنتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اِسے کچھ بلند کر لو۔ پھر آپ نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: میں تمھارے پاس سے گزرا تو تم بہت بلند آواز سے قرآن پڑھ رہے تھے۔ اُنھوں نے جواب دیا: میں سوتوں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: اِسے کچھ پست کر لو۔[7]

اِس نماز کا اصل وقت، جیسا کہ قرآن مجید کی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ مزمل سے واضح ہے، سو کر اٹھنے کے بعد ہی کا ہے اور اِسی وجہ سے اِسے نماز تہجد کہا جاتا ہے۔ قرآن نے اِسے حضوری کا وقت قرار دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات ہماری اِس دنیا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو فرماتے ہیں: اِس وقت کون ہے جو مجھے پکارے کہ میں اُس کی پکار کا جواب دوں، کون ہے جو مجھ سے مانگے کہ میں اُسے عطا کر دوں، کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے کہ میں اُسے بخش دوں۔[8]

تاہم کوئی شخص اگر یہ سعادت حاصل کرنے میں کسی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکے تو وہ یہ نماز سونے سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے۔ سورۂ مزمل میں اِس نماز سے متعلق تخفیف کی آیت سے یہ بات بھی نکلتی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ، وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ، عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ، فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ	’’تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی آدھی رات اور کبھی ایک تہائی رات (اُس کے حضور میں) کھڑے رہتے ہو اور ایک گروہ تمھارے ساتھیوں میں سے بھی۔

[7]۔ ابو داؤد، رقم 1329۔ ترمذی، رقم 447۔

[8]۔ بنی اسرائیل 17:79۔ بخاری، رقم 1145۔ مسلم، رقم 1772۔

الْقُرْاٰنِ. عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ، فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ.(20:73)

(لوگوں کی ضرورت کے لحاظ سے) اللہ ہی رات اور دن کی تقدیر ٹھیراتا ہے۔ اُس نے جان لیا کہ تم لوگ اِسے نباہ نہ سکو گے تو اُس نے تم پر عنایت کی نظر کی۔ چنانچہ اب قرآن میں سے جتنا ممکن ہو، (اِس نماز میں) پڑھ لیا کرو۔ اُسے معلوم ہے کہ آگے تم میں بیمار بھی ہوں گے اور کچھ دوسرے وہ بھی جو خدا کے فضل کی تلاش میں سفر کریں گے اور کچھ دوسرے جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اُٹھیں گے۔ اِس لیے جتنا ممکن ہو، اِس میں سے پڑھ لیا کرو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسی بنا پر فرمایا ہے:

أيكم خاف أن لا يقوم من اٰخر الليل فليؤتر ثم ليرقد، ومن وثق بقيام من الليل فليؤتر من اٰخره، فإن قراءة اٰخر الليل محضورة، وذٰلك أفضل.(مسلم، رقم 1767)

''تم میں سے جسے اندیشہ ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں نہ اٹھ سکے گا، اُسے چاہیے کہ سونے سے پہلے اپنی نماز وتر کر لے، لیکن جو یہ سمجھتا ہو کہ وہ یقیناً اٹھے گا، اُسے یہ نماز رات کے آخری حصے ہی میں پڑھنی چاہیے۔ اِس لیے کہ آخر شب کی قراءت روبرو ہوتی ہے اور وہی افضل ہے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز ہمیشہ تنہا پڑھتے تھے۔ تاہم رمضان کے کسی مہینے میں جب آپ تہجد کے لیے اٹھے اور مسجد میں بوریے کا جو حجرہ آپ رمضان میں بنا لیتے تھے، اُس سے نکل کر باہر مسجد میں نماز پڑھی تو آپ کی اقتدا کے شوق میں عام مسلمان بھی نماز کے لیے جمع ہونے لگے۔ نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے دیکھا تو چند دنوں کے بعد یہ سلسلہ اِس اندیشے سے منقطع کر دیا کہ آپ کی طرح مبادا یہ عام مسلمانوں پر بھی فرض کر دی جائے۔ عروہ بن زبیر کی روایت ہے:

أن عائشة رضی اللّٰہ عنہا أخبرتہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم خرج لیلة من جوف اللیل فصلی فیالمسجد وصلی رجال بصلوتہ، فأصبح الناس فتحدثوا فاجتمع أکثر منہم فصلوا معہ، فأصبح الناس فتحدثوا فکثر أھل المسجد من اللیلة الثالثة، فخرج رسول اللّٰہ فصلی فصلوا بصلوتہ. فلما کانت اللیلة الرابعة عجز المسجد عن أھلہ حتی خرج لصلوة الصبح، فلما قضی الفجر أقبل علی الناس فتشھد، ثم قال: ”أما بعد، فإنہ لم یخف علی مکانکم، ولکنی خشیت أن تفرض علیکم فتعجزوا عنہا“.
(بخاری، رقم 2012)

”سیدہ عائشہ نے اُنھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آدھی رات کے وقت نکلے اور آپ نے مسجد میں نماز پڑھی۔ وہاں کچھ لوگ آپ کے ساتھ اُس میں شریک ہو گئے۔ اُنھوں نے صبح اِس کا ذکر کیا تو دوسرے دن زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ اِس رات بھی آپ نے مسجد میں نماز پڑھی تو لوگوں نے آپ کے ساتھ یہ نماز ادا کی۔ صبح پھر اِس کا ذکر ہوا تو تیسری رات نمازیوں کی ایک بڑی تعداد مسجد میں آ گئی۔ آپ اِس رات پھر نکلے اور لوگوں نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی۔ پھر چوتھی رات ہوئی تو مسجد لوگوں سے اِس طرح بھر گئی کہ اُس میں کسی آنے والے کے لیے جگہ باقی نہ رہی۔ لیکن اُس رات آپ صبح سے پہلے نہیں نکلے، بلکہ فجر ہی کے وقت باہر آئے۔ پھر فجر کی نماز کے بعد آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے، خطبے میں اللہ کی توحید بیان کی اور فرمایا: میں تم لوگوں کے آنے سے بے خبر نہ تھا، لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ یہ کہیں تم پر فرض نہ کر دی جائے

اور پھر تم اُسے ادا نہ کر سکو۔‘‘

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت تک لوگ رمضان کے مہینے میں بھی گھروں اور مسجدوں میں اِسے بالعموم اپنے طور پر ہی پڑھتے تھے، یہاں تک کہ وہ ایک دن مسجد کی طرف آئے تو اُنھوں نے دیکھا کہ لوگ مختلف ٹکڑیوں میں اِس طرح یہ نماز پڑھ رہے ہیں کہ کوئی شخص تنہا تلاوت کر رہا ہے اور کچھ کسی امام کی اقتدا میں ہیں۔ اِس نماز میں چونکہ تلاوت کچھ بلند آواز سے ہوتی ہے، اِس وجہ سے مسجد میں عجیب بے نظمی کی کیفیت تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے آداب کے لحاظ سے اِسے پسند نہیں فرمایا اور ابی بن کعب کو اِس نماز کے لیے لوگوں کا امام مقرر کر دیا۔ اِس کے بعد ایک دوسری رات آپ پھر تشریف لائے، لوگوں کو نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: یہ نئی چیز اچھی ہے، لیکن جس کو چھوڑ کر یہ سوئے رہتے ہیں، وہ اِس سے بہتر ہے۔[9]

روایت سے واضح ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نہ صرف یہ کہ لوگوں کے ساتھ اِس نماز میں شامل نہیں ہوئے، بلکہ اُنھوں نے رات کے آخری حصے میں اٹھ کر تنہا یہ نماز پڑھنے کو اِس سے بہتر قرار دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نماز، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، کبھی گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھی۔ تاہم اِس کے لیے رکعتوں کی کوئی تعداد چونکہ متعین نہیں ہے، اِس لیے جب ایک امام کا تقرر ہوا تو لوگ رمضان میں نماز تراویح کے نام سے اِس نماز کی تیئس، بلکہ اِس سے بھی زیادہ رکعتیں پڑھنے لگے۔ اُس وقت سے اب تک مسلمانوں کا عام طریقہ یہی ہے اور اُن میں سے زیادہ اب اِس بات سے واقف بھی نہیں رہے کہ یہ درحقیقت تہجد ہی کی نماز ہے جسے وہ عشا کے ساتھ ملا کر پڑھ رہے ہیں۔

اِن نوافل کے علاوہ وضو کے بعد نماز کی فضیلت بھی آپ سے منقول ہے۔[10] سفر سے واپسی پر آپ کے دو رکعت نماز پڑھنے کا ذکر بھی روایتوں میں ہوا ہے۔[11] گناہوں سے توبہ اور استخارے کی غرض سے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرنے کی ہدایت

---

[9]۔ بخاری، رقم 2010۔

[10]۔ بخاری، رقم 1149۔ مسلم، رقم 6324۔

[11]۔ بخاری، رقم 3087، 3088۔ مسلم، رقم 1659۔

فرمائی ہے۔[12] استخارے کی یہ دعا درج ذیل ہے:

اَللّٰھُمَّ، إِنِّیْ أَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ، وَأَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ، وَأَسْأَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ، فَإِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ، وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ، وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ. اَللّٰھُمَّ، إِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ خَیْرٌ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ. وَإِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ ھٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ أَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ أَرْضِنِیْ.[13]

”اے اللہ، میں تیرے علم کے واسطے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے واسطے سے قدرت طلب کرتا ہوں، اور تجھ سے تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں، اِس لیے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا، اور تو جانتا ہے، میں نہیں جانتا اور تو علام الغیوب ہے۔ اے اللہ، اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگانی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے بہتر ہے تو اِسے میرے لیے مقدر کر دے اور آسان بنا دے، پھر اِس میں برکت پیدا کر دے؛ اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے دین اور میری زندگانی اور میرے انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اِس کو مجھ سے اور مجھے اِس سے پھیر دے۔ (پروردگار)، میرے لیے خیر کو مقدر فرما، وہ جہاں کہیں بھی ہو، پھر مجھے اُس سے راضی کر دے۔“

---

[12] ۔ابو داؤد، رقم 1521۔ بخاری، رقم 1162۔

[13] ۔بخاری، رقم 1162۔

سید منظور الحسن

لیلۃ القدر

دنیا کا نظام صبح و شام، روز و شب اور ماہ و سال کے اعتبار سے مرتب ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم حکمت کا آئینہ دار ہے۔ اِس کے نتیجے میں انسان زمان و مکاں، رفتہ و آیندہ اور قبل و بعد کے شعور سے بہرہ مند ہوتا اور تنظیم و ترتیب کے ساتھ اپنے معاملاتِ زندگی کو آگے بڑھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت، اپنی رحمت اور اپنی برکت کو اِس دنیا سے متعلق کرنے کے لیے اِسی نظم و ضبط اور اُس کے اِنھی تعینات کا لحاظ کیا ہے۔ قرآنِ مجید میں یوم الدین، یوم الآخرۃ، یوم الحساب، 'وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ' (اور اُنھیں خدا کے دنوں کی یاد دلاؤ) اور 'وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ' (اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے) جیسے الفاظ و اسالیب اِسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جانتے ہیں کہ عبادات کے اوقات اور ایام مقرر ہیں، اللہ کے تقرب میں ازدیاد اور اُس کی فیض رسانی میں اضافے کے لیے مواقع اور مقامات متعین ہیں اور فنا و بقا، قضا و قدر، سزا و جزا کی ساعتیں اور معیادیں طے ہیں۔

اِن میں سے جن موقعوں کو اللہ نے اپنی عنایتوں کے حوالے سے نہایت اہم قرار دیا ہے، اُن میں سے ایک لیلۃ القدر ہے۔ قرآنِ مجید نے اِسے لیلۃ المبارکہ یعنی مبارک رات سے تعبیر کیا ہے۔ اِس رات کی نوعیت، برکت اور فضیلت کے حوالے سے جو باتیں قرآن و حدیث سے معلوم ہوتی ہیں، اُن کا خلاصہ درجِ ذیل ہے۔

قرآن مجید کا نزول

قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ. (القدر 97:1) ”ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں نازل کیا۔“

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ. (الدخان 44:3) ”ہم نے اس (قرآن) کو ایک نہایت مبارک رات میں اتارا ہے۔“

قرآن کے نزول سے اِس رات کی نسبت معمولی بات نہیں ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ عالم کے پروردگار نے انسانوں کو ابدی رہنمائی سے فیض یاب کرنے کے لیے اِس رات کا انتخاب کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا تھا کہ اُس کا کلام نہایت محفوظ طریقے سے انسانوں تک پہنچے۔ چنانچہ اُس نے ہر لحاظ سے اِس کی حفاظت کا بندوبست فرمایا۔ اِس ضمن میں اُس نے آسمان سے زمین تک وہ تمام راستے مسدود کر دیے، جن سے شیاطین دراندازی کر سکتے تھے۔

امور دنیا کی تقدیر و تقسیم

قرآنِ مجید نے اِس رات کو لیلۃ القدر سے تعبیر کیا ہے۔ اِس سے مراد فیصلوں والی رات ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اِس موقع پر امور دنیا کے بارے میں اپنے فیصلوں کو متعین فرماتے اور اُن کی روشنی میں کارکنانِ قضا و قدر کو ذمہ داریاں تفویض کرتے ہیں۔ سورۂ دخان میں ارشاد فرمایا ہے:

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ. (44:4) ”اس رات میں تمام پر حکمت امور کی تقسیم ہوتی ہے، خاص ہمارے حکم سے۔“

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

”اِس (رات) کی یہ عظمت و برکت اِس وجہ سے ہے کہ اِس میں کائنات سے متعلق بڑے بڑے فیصلے ہوتے ہیں۔ جب اِس دنیا کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کے وہ دن بڑی اہمیت کے حامل سمجھے جاتے ہیں، جن میں وہ اپنے سال بھر کے منصوبے طے کرتی ہیں تو اُس رات کی اہمیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے، جس میں پوری کائنات کے لیے خدائی پروگرام طے ہوتا اور سارے جہان کا فیصلہ ہوتا ہے۔“ (تدبر قرآن 9/476)

فرشتوں اور جبریل امین کا نزول بھی اسی پہلو سے ہے۔ فرمایا ہے:

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ ”اس میں فرشتے اور روح الامین اترتے

رَبِّهِمۡ ۚ مِنۡ كُلِّ اَمۡرٍ. (القدر 4:97) ہیں، ہر معاملے میں، اپنے پروردگار کی اجازت سے۔"

مراد یہ ہے کہ ملائکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے گئے امور کو دنیا میں نافذ کرنے کے لیے اترتے ہیں۔ اِس موقع پر اللہ کے نہایت مقرب فرشتے حضرت جبریل امین بھی زمین پر اترتے ہیں۔

برکت اور سلامتی کی عظیم رات

سورۂ قدر میں اِس رات کی عظمت و برکت کو دو پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے۔ ایک پہلو سے یہ بات بیان ہوئی ہے کہ "یہ رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔" معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسلوب اِس کی برکتوں اور فیض رسانیوں کی کثرت کو بیان کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے۔ اِس سے مقصود انسانوں پر یہ واضح کرنا ہے کہ یہ کوئی عام رات نہیں ہے کہ اِسے سو کر گزار دیا جائے، بلکہ اگر پروردگار کے التفات اور نظرِ کرم کے حوالے سے دیکھا جائے تو ہزار مہینوں کی ہزاروں راتیں بھی اِس کے مقابلے میں ہیچ ہیں۔ استاذِ گرامی جناب جاوید احمد غامدی اِس آیت کی شرح میں لکھتے ہیں:

> "'ہزار مہینوں' کی تعبیر بیانِ کثرت کے لیے ہے اور اِس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امورِ مہمہ کی تنفیذ کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے جو رحمتیں، برکتیں اور خدا سے قرب کے جو مواقع اِس ایک رات میں حاصل ہوتے ہیں، وہ ہزاروں راتوں میں بھی نہیں ہو سکتے۔" (البیان 5/215)

دوسرے پہلو سے یہ فرمایا ہے کہ: "یہ رات سراسر سلامتی ہے، طلوع فجر تک۔"

اِس سے مراد یہ ہے کہ اِس کے دوران میں اللہ تعالیٰ آفاتِ سماوی کو روک دیتے، شیطانوں کی کارروائیوں پر پابندی لگا دیتے اور انسانوں کے لیے اپنے قرب اور اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اِنھی برکات کے پیشِ نظر قرآنِ مجید نے اِسے لیلۂ مبارکہ سے بھی تعبیر کیا ہے۔

لیلۃ القدر کا تعین

قرآنِ مجید اور احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان ہی کی رات ہے،

مگر یہ کون سی رات ہے، اِس کی تصریح قرآن میں نہیں ہے۔ احادیث سے البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک ہے۔ بخاری کی روایت کے مطابق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ بعض روایتوں میں آخری سات دنوں کی صراحت بھی ہے۔ بعض میں صحابۂ کرام کے حوالے سے اکیسویں، تئیسویں اور ستائیسویں رات کے بارے میں قیاسات نقل ہوئے ہیں، بعض میں اکیسویں، تئیسویں اور پچیسویں رات کا ذکر آیا ہے۔ تاہم اِس موضوع کی تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے یہی بات سامنے آتی ہے کہ یہ رمضان کی آخری دس راتوں میں سے کوئی طاق رات ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی اِس روایت سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیلۃ القدر کو تلاش کرو رمضان کی آخری دس تاریخوں میں۔ یعنی اکیس یا انتیس کو، تئیس یا ستائیس کو یا پچیس کو۔“ (بخاری، رقم 2021)

لیلۃ القدر کی متعین تاریخ نہ بتانے کی حکمت بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کے اندر اِس رات کو پانے کی جستجو پیدا ہو۔ اِس جستجو میں وہ کئی راتیں عبادت میں گزاریں اور اپنے لیے اجر کا سامان پیدا کریں۔

عبادت کا اہتمام

لیلۃ القدر کی اِس عظمت و برکت کو جاننے کے بعد یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ گناہوں کی بخشش کا اِس سے بہتر کوئی اور موقع نہیں ہے۔ چنانچہ کسی شخص کو بھی اِس کی جستجو سے بے گانہ نہیں ہونا چاہیے۔ ہر صاحبِ ایمان کو اِس رات میں اپنے پروردگار کی بے پایاں نعمتوں کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور دل کی گہرائیوں سے اُس کا شکر بجا لانا چاہیے۔ اپنی ضرورتوں اور تمناؤں کو اُس کے حضور میں پیش کرنا چاہیے۔ اپنی پریشانیاں اُس کے سامنے رکھ کر اُس سے صبر کی توفیق طلب کرنی چاہیے اور اُن کے تدارک کی درخواست پیش کرنی چاہیے۔ اِس موقعے کا بہترین عمل عبادت ہے۔ روایات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں شب و روز کا بیش تر وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ سیدہ عائشہ بیان فرماتی ہیں:

”جب رمضان کی آخری دس تاریخیں آتی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ رات رات بھر جاگتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے تھے۔“

(بخاری، رقم 2024)

البیان

جاوید احمد غامدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ البقرۃ

(7)

وَ قَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ۟ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّ هُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

یہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہو سکے گا، جب تک وہ یہودی یا نصرانی نہ ہو۔ یہ اِنھوں نے محض آرزوئیں باندھ لی ہیں۔ اِن سے کہو، تم سچے ہو تو (اِس کے لیے) اپنی کوئی دلیل پیش کرو۔ (اِن کی اِس بات میں کوئی حقیقت نہیں)۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ اپنی ہستی جن لوگوں نے اللہ کے سپرد کر دی، اور وہ اچھی طرح سے عمل کرنے والے ہیں، اُن کے لیے اُن کا اجر اُن کے پروردگار کے ہاں محفوظ ہے، اور اُن کے لیے نہ وہاں کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ کبھی غم زدہ ہوں گے۔ (اپنے گروہ سے باہر یہ کسی حق کو نہیں مانتے، لہٰذا) یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کی کوئی بنیاد نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کی کوئی بنیاد نہیں، دراں حالیکہ دونوں کتاب الٰہی کی تلاوت

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

کرتے ہیں۔ اِسی طرح بالکل اِنھی کی سی بات اُن لوگوں نے بھی کہی جو (خدا کی کتاب کا) کوئی علم نہیں رکھتے۔ چنانچہ اب اللہ اِن کے درمیان قیامت کے دن ہی اِس معاملے کا فیصلہ کرے گا جس میں یہ جھگڑ رہے ہیں۔ 111-113

(اپنے اِنھی اختلافات کی وجہ سے یہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو ویران کرتے رہے ہیں)۔ اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کے معبدوں میں اِس بات سے منع کرے کہ وہاں اُس کا نام لیا جائے اور اُن کی ویرانی کے درپے ہو۔ اِن کے لیے اِس کے سوا کچھ زیبا نہ تھا کہ اِن (معبدوں) میں جائیں تو اللہ سے ڈرتے ہوئے جائیں۔ (لیکن اِنھوں نے سرکشی اختیار کی تو اب) اِن کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے اور قیامت میں بھی ایک بڑا عذاب اِن کا منتظر ہے۔ (یہ اِس لیے ہوا کہ اِن میں سے کسی نے مشرق کو قبلہ ٹھیرایا اور کسی نے مغرب کو)، اور حق یہ ہے کہ مشرق و مغرب، سب اللہ ہی کے لیے ہیں۔ لہٰذا (اللہ کے حکم پر) تم جدھر رخ کرو گے، وہیں اللہ کا رخ ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ اللہ بڑی گنجایش والا ہے، وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ 114-115

(پھر یہی نہیں، اپنی نجات کے یہ مدعی اِس قدر پستی میں گر چکے ہیں کہ) اِنھوں نے کہا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے۔ (لاریب)، وہ پاک ہے اِن باتوں سے، بلکہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے، اُسی کا ہے، سب اُس کا حکم مانتے ہیں۔ زمین اور آسمانوں کو وہی عدم سے وجود میں لانے والا ہے اور جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اُس کے لیے اِتنا ہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ 116-117

اور اِسی طرح اُن لوگوں نے بھی کہا ہے جو (کتاب الٰہی کا) علم نہیں رکھتے کہ اللہ ہم سے (براہ راست)

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

کیوں ہم کلام نہیں ہوتا یا ہمارے پاس کوئی واضح نشانی کیوں نہیں آتی؟ بالکل اِسی طرح جو اِن سے پہلے گزرے ہیں، اُنھوں نے بھی اِنھی کی سی بات کہی تھی۔ اِن سب کے دل ایک سے ہیں۔ ہم نے اپنی نشانیاں اُن لوگوں کے لیے جو یقین کرنا چاہیں، ہر لحاظ سے واضح کر دی ہیں، (لہٰذا تمھاری کوئی ذمہ داری نہیں کہ اِن کی خواہش کے مطابق اِنھیں معجزے اور نشانیاں دکھاؤ)۔ ہم نے تمھیں حق کے ساتھ بھیجا ہے، (اے پیغمبر)، بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر، اور تم سے اِن دوزخ والوں کے بارے میں ہرگز کوئی پرسش نہ ہوگی۔ 118-119

یہ یہود و نصاریٰ تم سے ہرگز راضی نہ ہوں گے، جب تک اِن کا مذہب اختیار نہ کر لو۔ (لہٰذا) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور (جان لو کہ) اگر تم اُس علم کے بعد جو تمھارے پاس آ چکا ہے، اِن کی خواہشوں پر چلے تو اللہ کے مقابلے میں تمھارا کوئی دوست اور کوئی مددگار نہ ہوگا۔ 120

(تمھیں مطمئن رہنا چاہیے کہ) وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب عطا فرمائی اور اُن کا معاملہ یہ رہا کہ وہ اُس کی تلاوت کا حق ادا کرتے رہے، وہی اِس (ہدایت) پر ایمان لائیں گے اور جو اِس کے منکر ہوں گے تو وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔ 121

[باقی]

ترجمہ و تحقیق: جاوید احمد غامدی / محمد حسن الیاس

— 1 —

”ام المومنین سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جب کسی کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو ایک فرشتہ بھیجتا ہے۔ وہ فرشتہ رحم میں داخل ہوتا اور کہتا ہے: پروردگار، یہ کیا ہے؟ اللہ بتاتا ہے کہ لڑکا ہو گا یا لڑکی یا پھر جو کچھ اللہ رحم میں تخلیق کرنا چاہتا ہے۔ پھر فرشتہ پوچھتا ہے: پروردگار، یہ بدبخت ہو گا یا خوش بخت؟ اِس پر بھی اللہ بتا دیتا ہے کہ وہ کیا ہو گا، بدبخت یا خوش بخت؟ پھر وہ پوچھتا ہے: پروردگار، اِس کا رزق کیا ہو گا؟ اللہ وہ بھی بتا دیتا ہے کہ اتنا اور اتنا۔ پھر پوچھتا ہے: پروردگار، اِس کی موت کا وقت کیا ہے؟ اللہ اِس کا جواب بھی دے دیتا ہے کہ فلاں اور فلاں۔ اِس کے بعد فرشتہ پوچھتا ہے کہ پروردگار، اِس کی فطرت کیا ہو گی؟ اِس کے جواب میں اللہ فرماتا ہے: وہی جو اِس کے ساتھ رحم میں بنا دی جائے گی۔“

(مشکل الآثار، طحاوی، رقم 3278)

— 2 —

”ابو طفیل بیان کرتے ہیں کہ میں ابو سریحہ حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا تو اُنھوں نے کہا: میں نے اپنے اِن دونوں کانوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: نطفہ چالیس راتیں رحم میں رہتا ہے، پھر فرشتہ اُس کی صورت گری شروع کرتا ہے۔ زہیر کہتے ہیں: میرا گمان ہے کہ اُنھوں نے کہا: وہی فرشتہ جو اُس کی تخلیق پر مقرر ہے، اور کہتا ہے: اے میرے رب، عورت ہو گی یا مرد ہو گا؟ پھر اللہ تعالیٰ اُس کے مرد یا عورت ہونے کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے: اے میرے رب، یہ ہر لحاظ سے درست ہو گا یا ناقص رہ جائے گا؟ پھر اللہ تعالیٰ اُس کے درست یا ناقص رہ جانے کا بھی فیصلہ کر دیتا ہے، پھر وہ کہتا ہے: اے میرے

پروردگار، اِس کا رزق کتنا ہو گا؟ اِس کی مدت حیات کتنی ہو گی اور اِس کا اخلاق کیسا ہو گا؟ اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اُس کے بدبخت یا خوش بخت ہونے کے بارے میں بھی طے کر دیتے ہیں۔'' (مسلم، رقم 4790)

— 3 —

''عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی نفس کو تخلیق کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو رحم میں موجود فرشتہ سوال کے بعد سوال پوچھتا ہے، یعنی پروردگار، یہ مرد ہے یا عورت؟ سو اللہ اُس کے جواب میں اِس کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ پھر وہ پوچھتا ہے کہ اے میرے رب، یہ نیک بخت ہو گا یا بدبخت؟ اللہ اِس کا بھی فیصلہ کر دیتا ہے۔ اِس کے بعد وہ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ہر وہ چیز لکھ دیتا ہے جو اُس کو پیش آئے گی، یہاں تک کہ وہ مصیبت بھی جو اُسے لاحق ہو گی۔'' (صحیح ابن حبان، رقم 6312)

مقامات

جاوید احمد غامدی

معجزۂ فن

حسن فروغ شمع سخن دور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

میں جس محلہ میں رہتا ہوں، اُس کی جامع مسجد کی پیش گاہ پچھلے کئی مہینوں سے زیر تعمیر ہے۔ پہلے برآمدے میں بس کچھ سادہ در بنے ہوئے تھے جن سے گزر کر مسجد کے دالان میں داخل ہوتے تھے۔ اب اُنھیں محرابوں میں بدل کر سامنے کنگنی اور تاج بنانے کا فیصلہ ہوا تو تین چار ماہ پہلے تعمیر شروع کر دی گئی۔ میں نے دیکھا کہ برآمدے کی دیوار دنوں میں منہدم ہوئی اور ہفتے عشرے ہی میں نئی تعمیر نیو سے چھت تک کھڑی ہو گئی۔ میرا خیال تھا کہ اب مسجد کا صحن غالباً دو تین ہفتوں میں اینٹ گارے سے خالی ہو جائے گا، لیکن جب معاملہ تاج کی برجیوں اور مناروں تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ وقت کی رفتار تھم گئی اور معماروں کے ہاتھ کام سے رک گئے ہیں۔ پہلے بنا پڑتی نہ تھی کہ دیوار بام تک پہنچ جاتی تھی، اب ایک ایک برجی کے کلس اور کنگروں کی تعمیر میں مہینے گزرتے ہیں۔ یہ میرے محلے کی چھوٹی سی مسجد ہے۔ معلوم نہیں، مسجد عالمگیری، قلعۂ معلی

اور تاج محل کی محرابوں اور برجیوں پر اُن کے معماروں نے کتنی مرتبہ آفتاب صبح کو افق پر تیرہ ہوتے دیکھا ہو گا۔ کوئی معمار لب لعلیں تراشنے کے لیے بیٹھ جائے تو جب تک دن مہینوں میں نہ بدلیں، کنج دہن بھی نمایاں نہیں ہوتا:

سو بار جب عقیق کٹا تب نگیں ہوا

ہر تخلیق اِسی طرح مرتبۂ کمال کو پہنچتی ہے۔ شعر وہ بھی ہوتے ہیں کہ ردیف و قافیہ میسر ہوتے رہے تو ہر دوسرے مہینے ایک دیوان کی ترتیب سے فارغ ہو گئے، اور وہ بھی جن کے بارے میں کہا گیا کہ:

برائے پاکی لفظے شبے بروز آرد
کہ مرغ وماہی باشند خفتہ او بیدار

پہلی صورت میں اینٹ مسالا کم نہ پڑے تو نتیجہ دنوں میں سامنے آجاتا ہے۔ دوسری صورت میں نتیجہ اینٹ مسالے سے نہیں، خون جگر سے پیدا ہوتا ہے:

رنگ ہو یا خشت وسنگ، چنگ ہو یا حرف وصوت
معجزۂ فن کی ہے خون جگر سے نمود

یہ حادثہ اِس زمانے میں پہلی بار نہیں ہوا کہ لوگ اِن دونوں کے نتائج میں فرق کرنے سے قاصر رہے۔ بنی آدم کی تاریخ بیش تر اِنھی حوادث کا دفتر ہے۔ اِس دنیا میں، اِس سے پہلے بھی بارہا یہ ہو چکا کہ لوگوں نے جعفر زٹلی اور غالب کا مرتبہ اُن کے دیوان میں شعر گن کر طے کرنے کی کوشش کی اور یوحنا مسیح کے زمانے میں اُن کا مقام اُن کے معتقدین کی تعداد سے متعین کرنا چاہا۔ اِس طرح کے لوگوں سے کون کہے کہ:

نگاہ تیری فرومایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
ترا گنہ کہ نخیل بلند کا ہے گناہ

[1989ء]

سید منظور الحسن

شق القمر

غامدی صاحب کا موقف

[محمد حسن الیاس کے ساتھ ایک مکالمے سے لیا گیا]

(8)

رابعاً، انبیا علیہم السلام کو معجزات عطا کرنے کے اصل اسباب تو اتمام حجت اور اُن کے مطالبۂ عذاب کے جواب میں عذاب سے قبل آخری تنبیہات ہی ہوتی ہیں، لہٰذا بالعموم یہ اُن کی دعوت کے مرحلۂ اتمام حجت میں دیے جاتے ہیں، مگر بعض صورتوں میں دعوت کی ابتدا ہی میں اُنھیں اِن سے لیس کر دیا جاتا ہے۔ ایسے موقعوں پر مقصد مخاطبین کو مرعوب کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ کسی جابرانہ اقدام سے باز رہیں اور بات سننے کے لیے آمادہ ہو سکیں۔ اِس کی نمایاں مثالیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیے جانے والے عصا اور یدِ بیضا کے معجزات ہیں۔ رسالت مآب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآنِ مجید کی صورت میں جو عظیم الشان معجزہ عطا کیا گیا، اُس کا ایک پہلو بھی یہی ہے۔ امام امین احسن اصلاحی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے گئے معجزات کے حوالے سے اِسی پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”... معجزات کے باب میں معروف سنتِ الٰہی تو یہ رہی ہے کہ وہ حضرات انبیا کو اُس وقت دیے گئے ہیں، جب اُن کی قوموں نے شدت کے ساتھ اُن کا مطالبہ کیا ہے اور مقصود اِن کے

دیے جانے سے صرف اتمام حجت رہا ہے کہ جو لوگ عقل و فکر سے کام نہیں لے رہے ہیں، کسی معجزے ہی کے لیے بہ ضد ہیں، اُن کے پاس حق سے انحراف کے لیے کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ خاص معاملہ کیوں ہوا کہ اُن کو منصبِ نبوت پر مامور کرتے ہی دو معجزے دے دیے گئے؟ ہمارے نزدیک اِس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک ایسے سرکش اور جابر حکمران کی طرف رسول بنا کر بھیجے جا رہے تھے، جو شخصی اور قومی، دونوں اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جانی دشمن تھا۔ اُن کی بات سننا اور سمجھنا تو درکنار اندیشہ اِس بات کا تھا کہ یہ علم ہوتے ہی کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں، فوراً اُن کے قتل کا حکم دے دیتا۔ بلکہ اُن کے قتل کا حکم تو اُسی وقت وہ دے چکا تھا، جب قبطی کے قتل کا واقعہ پیش آیا تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام چھپ کر مدین چلے گئے، اِس وجہ سے وہ اپنے ارادے میں ناکام رہا۔ ایک ایسے منتقم و جبار کے سامنے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک رسول کی حیثیت سے انذار کے لیے جاتے تو بھلا وہ اُن کی بات سننے کا کب روادار ہوتا! وہ تو صرف اُسی شکل میں کوئی بات سننے کے لیے تیار ہو سکتا تھا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں کوئی ایسی بات ظاہر ہوتی، جو اُس کو مرعوب کر دیتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں اُن کو دو ایسے معجزوں سے مسلح کر دیا، جن کی مدد سے وہ اپنے دشمن کی ہر تعدی سے محفوظ رہے اور اُنھوں نے فرعون کے سامنے جاتے ہی، جیسا کہ آگے کی آیات سے واضح ہو گا، اپنے اِن معجزات کا اظہار بھی کر دیا تاکہ وہ خبردار رہے کہ اگر اُس نے کوئی غلط اقدام کیا تو وہ بھی خالی ہاتھ نہیں آئے ہیں، بلکہ اُن کے ہاتھ میں بھی وہ عصا ہے، جو ہر کبر و غرور کا سر پاش پاش کر دینے کے لیے بالکل کافی ہے۔‘‘ (تدبر قرآن 5/36)

خامساً، آیاتِ بینات یا انبیا کے معجزات کی نوعیت کے تعین میں مخاطبین کے حالات اور رجحانات کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیا کے ہاتھوں ایسے خارقِ عادت معاملات کا صدور ہوتا ہے، جو اُن کے فہم و استدلال، بود و باش اور تہذیب و تمدن سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اِسی بنا پر یہ اُن کے لیے توجہ اور حیرت و استعجاب کا باعث ہوتے اور نتیجتاً اتمام حجت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

’’معجزات کے باب میں سنتِ الٰہی یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ قوموں کے مذاق اور رجحانات کی

رعایت سے دیے جاتے ہیں تاکہ اُن پر حجت ہو سکیں۔ مصر میں، تاریخوں سے پتا چلتا ہے کہ اِس دور میں سحر و شعبدہ کا بڑا زور اور سوسائٹی میں ساحروں کو بڑا مقام حاصل تھا، اِس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزے دیے، جن سے ساحروں کے طلسم کو باطل کیا جا سکے۔ عربوں میں اِس کے برعکس، سب سے زیادہ قدر و عظمت فصاحت و بلاغت کو حاصل تھی اور سوسائٹی پر دھاک خطیبوں اور شاعروں کی بیٹھی ہوئی تھی۔ اِس وجہ سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کا معجزہ عطا ہوا، جس کی فصاحت و بلاغت نے سارے فصیحوں بلیغوں کو عاجز و درماندہ کر دیا۔" (تدبر قرآن 3/ 343)

سادساً، اِن نشانیوں کے حوالے سے یہ بات بھی متحقق ہے کہ یہ اگرچہ پیغمبر کے ہاتھ سے صادر ہوتی ہیں، مگر اِن کا تعلق اصلاً پیغمبر کی منصبی ذمہ داریوں سے نہیں ہوتا۔ یہ خالصتاً من جانبِ اللہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ اِن کی نوعیت، اِن کے ظہور یا عدم ظہور اور موقع ظہور کا فیصلہ نہ پیغمبر کرتا ہے اور نہ یہ مخاطبین کے مطالبے کے جواب میں ظاہر کی جاتی ہیں۔ قرآنِ مجید نے اِس بات کو سورۂ رعد میں نہایت صراحت سے واضح کیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:

وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ.

"یہ منکرین کہتے ہیں کہ اِس شخص پر اِس کے پروردگار کی طرف سے (عذاب کی) کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ (اِنھیں بتاؤ کہ یہ تمھارا کام نہیں ہے، اِس لیے کہ) تم تو صرف خبردار کرنے والے ہو اور ہر قوم کے لیے اِسی طرح ایک راہ بتانے والا آتا رہا ہے۔

اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَ مَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا تَزْدَادُ ؕ وَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ. (13:8-7)

(اِن پر عذاب کے لیے کوئی نشانی کب ظاہر ہو گی؟ اِسے اللہ جانتا ہے، جس طرح) ہر مادہ کے حمل کو اللہ جانتا ہے اور جو کچھ رحموں میں گھٹتا اور بڑھتا ہے، اُس کو بھی جانتا ہے۔ ہر چیز اُس کے ہاں ایک

اندازے کے مطابق ہے۔‘‘

امام امین احسن اصلاحی اِن آیات کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

’’’ایت‘ سے مراد یہاں کوئی نشانی عذاب ہے۔ اوپر والی آیت میں جس عذاب کے لیے عجلت کا ذکر ہے، یہ اُسی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر ہمیں جس عذاب کے ڈراوے ہر وقت سنا رہے ہیں، آخر اُس کی کوئی نشانی یہ کیوں نہیں دکھاتے؟ فرمایا کہ تمھارا کام صرف لوگوں کو اِس عذاب سے خبردار کر دینا ہے، اُس کی کوئی نشانی دکھانا یا اُس عذاب کو لا دینا تمھارا کام نہیں ہے۔ یہ ہمارا کام ہے۔ تم اپنا کام کرو اور ہمارا کام ہم پر چھوڑو۔ اُن کی بکواسوں کی پروا مت کرو... ایک بات جو ایک امر واقعی اور شدنی ہے، اُس میں اِس بنیاد پر کوئی شبہ قائم کرنا کہ تم اُس کا وقت معین طور پر نہیں بتا سکتے یا اُن کے مطالبے پر اُس کو دکھا نہیں سکتے، کوئی معقول بات نہیں ہے۔ ایک عورت حاملہ ہوتی ہے، اُس کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی، اِس کو صرف اللہ ہی جانتا ہے، اِس میں درپردہ جو کمی بیشی واقع ہوتی ہے، اُس کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، اُس کے وضع کا ٹھیک ٹھیک وقت بھی اللہ ہی کے علم میں ہوتا ہے۔ اِن باتوں کے نہ جاننے سے نہ تو نفس حمل کی نفی ہوتی اور نہ کوئی عاقل اِس بنیاد پر ایک حاملہ کے حاملہ ہونے سے انکار کرتا ہے۔ یہی مثال اُن ظالموں کے لیے عذاب الٰہی کی ہے۔ اُنھوں نے اپنے عقائد و اعمال کے فساد کے باعث اِس کا حمل قبول کر لیا ہے اور یہ حمل لازماً اپنی مدت کو پہنچ کر ظہور میں آئے گا، لیکن کب آئے گا اور کس شکل و صورت میں آئے گا، اِس کا ٹھیک ٹھیک پتا صرف اللہ ہی کو ہے، کسی دوسرے کو اِس کا علم نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں ہر چیز کے لگے بندھے ضابطے، معین پیمانے اور مقرر اوقات ہیں۔ لوگوں کی جلد بازی سے وہ سنتِ الٰہی متغیر نہیں ہوتی، جو اُس نے ہر چیز کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔‘‘ (تدبر قرآن 4/274)

سابعاً، قرآنِ مجید سے واضح ہوتا ہے کہ معجزات اگرچہ معمول سے ہٹ کر ہوتے ہیں اور عام عادات اور قوانین کے برخلاف ہوتے ہیں، مگر اُن کا ظہور اسباب کے دائرے کے اندر اور اُنھی کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے مطالبات کو رد فرما دیتے ہیں، جو حیطۂ اسباب سے باہر ہوں۔ سورۂ مائدہ میں جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے متعلق اپنی نشانیوں کا ذکر کیا ہے، وہاں حواریوں کا یہ سوال بھی مذکور ہے کہ کیا اللہ آسمان سے کھانے کے خوان اتار

سکتا ہے؟ اِس بے جا مطالبے پر حضرت مسیح علیہ السلام نے اُنھیں تنبیہ کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی اِسے پسند نہیں فرمایا۔ یہ مقام درج ذیل ہے:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

”اُس وقت، جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ ابنِ مریم، کیا تمھارا پروردگار یہ کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) ایک خوان اتارے؟ عیسیٰ نے کہا: خدا سے ڈرو، اگر تم سچے مومن ہو۔

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ. قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَ ارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ.

اُنھوں نے جواب دیا: ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اِس خوان سے کھائیں اور اِس کے نتیجے میں ہمارے دل مطمئن ہوں اور ہم یہ جان لیں کہ تو نے ہم سے سچی بات کہی تھی اور ہم اِس پر گواہی دینے والے بن جائیں۔ اِس پر عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی: اے اللہ، اے ہمارے پروردگار، تو ہم پر آسمان سے ایک خوان نازل کر دے، جو ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک یادگار بن جائے اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو۔ (پروردگار)، ہم کو عطا فرما اور تو بہترین عطا فرمانے والا ہے۔

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ.

(112-115:5)

اللہ نے فرمایا: میں اِس کو تم پر ضرور نازل کر دوں گا، مگر اِس کے بعد جو تم میں سے منکر ہوں گے، اُنھیں ایسی سخت سزا دوں گا، جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہو گی۔“

امام امین احسن اصلاحی 'هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ' کے الفاظ کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

''هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ' کے سوال کے باب میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ حواریین کا سوال خدا کی قدرت سے متعلق نہیں، بلکہ اُس کی حکمت سے متعلق تھا کہ اِس قسم کی کھلی ہوئی نشانی دکھانا اُس کی حکمت کے مطابق بھی ہو گا یا نہیں؟ حواریین با ایمان لوگ تھے، وہ اِس حقیقت سے بے خبر نہیں ہو سکتے تھے کہ اُن کی یہ درخواست مشابہ ہے اُس مطالبہ سے جو بنی اسرائیل نے خدا کو دیکھنے کے لیے کیا تھا، جس کے نتیجہ میں اُن کو کڑک نے آدبوچا تھا۔ معجزات ہر چند خارقِ عادت ہوتے ہیں، تاہم وہ اسباب کے پردے ہی میں ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ تمام پردے اٹھا دیے جائیں۔ اِسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اِس طرح کے مطالبات کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں فرمائی، جن میں خواہش اُن حدود سے متجاوز ہو جائے، جو معجزات کے ظہور کے لیے سنت اللہ میں مقرر ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اِس سے روکا اور جب حواریین کی دوبارہ درخواست پر اِس کے لیے درخواست فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے اِس درخواست کو پسند نہیں فرمایا، بلکہ ارشاد ہوا کہ اتارنے کو تو میں مائدہ اتار دوں گا، لیکن یاد رکھو کہ جو لوگ اتنی کھلی نشانیاں دیکھنے کے بعد کفر میں مبتلا ہوں گے، اُن کو سزا بھی وہ دوں گا، جو کسی اور کو نہ دوں گا۔ معلوم ہوتا ہے اِس کے بعد حواریین اپنی اِس درخواست سے باز آ گئے۔ اہل تاویل میں سے بھی ایک گروہ کا یہی خیال ہے کہ اِس کا نزول نہیں ہوا۔ انجیلوں میں بھی اِس کا ذکر نہیں ہے۔'' (تدبر قرآن 2/608)

[باقی]

ڈاکٹر عرفان شہزاد

نظم وضبط اور ٹیلنٹ کی کشمکش

[''نقطۂ نظر'' کا یہ کالم مختلف اصحابِ فکر کی نگارشات کے لیے مختص ہے۔ اس میں شائع ہونے والے مضامین سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔]

نظم وضبط ایک بہتر زندگی کے لیے ضروری، اس میں حسن کا باعث اور کامیابی کی ضمانت ہے، مگر اس کی بے لچک پابندی اگر اختیار کر لی جائے تو زندگی ایک زندان بن کر رہ جاتی ہے، جہاں فکر اور تخلیق گھٹ کر مر جاتے ہیں۔ اصول و قوانین انسانوں کی خدمت اور سہولت کے لیے وضع کیے جاتے ہیں، نہ کہ انسان کو ان کا غلام بنانے کے لیے۔ چنانچہ جہاں کہیں یہ انسان کے لیے کسی نقصان کا باعث بنیں، انھیں تبدیل یا معطل کر دینا چاہیے، یا ان میں گنجایش پیدا کر دینی چاہیے۔

اللہ تعالی کا طریقہ یہی ہے۔ وہ چاہتا تو انسانوں پر لازم قرار دیتا کہ جو حکم اس نے دے دیے انھیں ہر حال میں بجالایا جائے، مگر خدا صرف قادر ہی نہیں، حکیم بھی ہے۔ انسانوں کے مختلف حالات کی رعایت سے وہ اپنا حکم تبدیل کر دیتا ہے۔ معمول کی نماز ادا کرنے میں مشکل پیش آ جائے تو نمازوں کو قصر اور جمع کر لینے کی اجازت ہے، کھڑے، چلتے یا سواری پر بیٹھے بیٹھے نماز ادا کر لینے کی سہولت موجود ہے۔ مشقت زیادہ محسوس ہو تو روزہ رکھنے سے استثنا دے دیا جاتا ہے۔ مجبوری میں حرام کھا لینے اور کلمۂ کفر کہہ کر جان بچا لینے کی اجازت دی گئی ہے۔ یہ سب ظاہر کرتا

ہے کہ فرد قوانین پر قربان نہیں ہو گا۔ قوانین اس کے لیے بدل دیے جائیں گے۔

زیادہ باصلاحیت اور ٹیلنٹڈ لوگ عموماً آزاد منش ہوتے ہیں۔ نظم وضبط کی بے لچک پابندیاں ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ایسے افراد میں ایک طرح کی خود پسندی، انانیت اور حساسیت بھی پائی جاتی ہے، جس کا پاس ولحاظ نہ رکھا جائے تو ٹیلنٹ ضائع ہو جاتے ہیں۔ دیکھا جا سکتا ہے کہ جن محکمہ جات میں نظم وضبط پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا جاتا وہ تمام تر سہولیات دستیاب ہونے کے باوجود کوئی اچھا کھلاڑی، ادیب یا ماہر فن پیدا نہیں کر پاتے۔

نظم وضبط پر کوئی سمجھوتا نہ کر سکنا کم ذہنی کی علامت ہے۔ ایسا ذہن مخصوص ڈگر سے ہٹ کر سوچنے اور کچھ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ حوصلہ۔ روٹین اور معمول کا پجاری اینٹیں ڈھونے والے جانور کی طرح ایک ہی رستے پر ایک ہی کام بار بار کر لینے ہی کو سرمایۂ افتخار سمجھتا ہے۔ کاغذوں میں یہ لوگ کامیاب منتظم کہلاتے ہیں، مگر ان کے زیر سایہ کوئی تعمیری اور تخلیقی کام نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگ جب کسی با اختیار منصب پر فائز ہو جاتے ہیں تو یہ ٹیلنٹ اور تخلیقی اذہان کے لیے موت کا اعلان ہوتا ہے۔

نہ جانے کتنے ہی بہترین کھلاڑی، علما، محققین اور ماہرینِ فن نظم وضبط کی بے لچک پابندیوں کے ہاتھوں ضائع ہو جاتے ہیں، حالاں کہ وہ اس لائق ہوتے ہیں کہ اصول و قوانین ان کے لیے بدل دیے جائیں۔

قواعد وضوابط خادم ہیں، خدا نہیں۔ ان پر عمل کیا جائے گا، ان کی عبادت نہ کی جائے گی۔ ضرورت ہو تو انسانوں کے لیے انھیں بدل دیا جائے گا، مگر انسانوں کو ان کے استھان پر قربان نہیں کیا جائے گا۔

ابو سعد اعظمی

قدیم مفسرین کے تسامحات اور مولانا فراہیؒ

(3)

20۔ سورۃ الحج، آیت 52 ’وَ مَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ مِنۡ رَّسُوۡلٍ وَّ لَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلۡقَى الشَّيۡطٰنُ فِيۡۤ اُمۡنِيَّتِهٖ‘ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”مفسرین کا کہنا ہے کہ ’تَمَنّٰٓى‘ کے معنی تلاوت کرنے کے ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ کی آیت 78 میں ہے کہ ’لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ‘۔ اسے قاضی عیاض نے سب سے اچھا قول کہا ہے۔ یہی بات حضرت شیخ عبد القادر جیلانی نے کہی ہے۔ میرے نزدیک (اور صحیح علم اللہ ہی کو ہے) یہ تکلف اور اصل مسئلہ سے فرار کی صورت ہے۔ سورۂ بقرہ کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں بھی ’اَمَانِيَّ‘ کا لفظ تلاوت کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ آیت کا سیاق اس سے انکار کرتا ہے۔ ابن جریر نے آیت کی تاویل میں طویل روایتیں نقل کی ہیں جو بالکل بے اصل ہیں۔[1] انھوں نے ان کے بودے ہونے کے بارے میں کچھ لکھا بھی نہیں۔ یہی سے واضح ہوتا ہے کہ روایتوں پر تکیہ کرنے والوں کا طریقہ کس قدر غلط ہے۔ قرآن کی آیات اور عقل، دونوں سے ان روایتوں کا جھوٹ ظاہر ہے۔“[2]

امام فراہی نے یہاں بھی تفسیری روایات کو بنیاد بنا کر اس آیت کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس کی

---

[1]۔ طبری، ابن جریر، جامع البیان 8/238-230۔

[2]۔ الفراہی، تعلیقات 1/423۔

نفی کی ہے، لیکن اس کا صحیح مفہوم کیا ہو گا، اس کی نشان دہی حواشی میں نہیں آسکی ہے۔ البتہ سورۃ الحج کی اپنی نامکمل تفسیر میں انھوں نے آیت کا صحیح مفہوم واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو پہلی مرتبہ دار الغرب الاسلامی، تونس سے عبید اللہ فراہی کی توجہ سے شائع ہوئی ہے۔ مولانا فراہی لکھتے ہیں:

> ”اگرچہ یہاں اسلوب بیان عام ہے، لیکن شیطان کے القا کے سلسلے میں اشارہ سابق انبیا کی کتابوں کی طرف ہے۔ یہ آیت قرآن کریم کے ذریعے سے سابق احکامات کے ان حصوں کے نسخ کے ضمن میں ذکر ہوئی ہے جو شیطان کے القا کے نتیجے میں اس میں شامل ہو گئے تھے۔ سورۂ حج کی آیت 54 ’وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ‘، ”اور (ایسا اس لیے بھی ہوتا ہے) کہ وہ لوگ جن کو علم عطا ہوا ہے اچھی طرح جان لیں کہ یہی تیرے رب کی جانب سے حق ہے۔“ بھی اسی حق کے بارے میں ہے جو قرآن میں نازل ہوا ہے۔ قرآن کی یہ تفسیر قرآن کے مطابق ہے۔ اس کو حرز جاں بنالو، اسے مضبوطی سے پکڑ لو اور ان روایات کی طرف بالکل توجہ نہ دو جن میں شیطانی دجالوں نے بے ہودہ باتوں کی آمیزش کر دی ہے اور ان کے ذریعے سے بہت سارے سادہ لوح اور کمزور عقل والوں کو گم راہ کر دیا۔“[3]

اس کے بعد اعراف 203، یونس 15 اور سورۂ نجم 4-3 پیش کر کے انھوں نے صراحت کر دی ہے کہ دیکھو اللہ نے کیسے اپنے نبی کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ رسول صرف اس وحی کی اتباع کرتا ہے جو اس کے پاس اس کے رب کی طرف سے آتی ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے شہادت ہوئی۔

ابن جریر طبری نے آیت کی تاویل کے ذیل میں متعدد احادیث نقل کی ہیں، لیکن تفسیر طبری کی روایات کے محقق نے ان میں سے اکثر روایات کو ضعیف قرار دیا ہے اور بعض کی تصحیح کی ہے، لیکن انھیں مرسل گردانا ہے۔ نیز اس ضمن میں جو صحیح روایات وارد ہیں وہ اس قصے کے تذکرے سے خالی ہیں جس میں کفار و مشرکین کے بتوں کا ذکر اور ان سے شفاعت کی امید جتائی گئی ہے۔ اس لیے آیت کی تشریح کے ضمن میں ان روایات پر انحصار کرنا صحیح نہیں ہو گا۔

21۔ سورۃ المومنون، آیت 67 میں وارد لفظ ’بِهٖ سٰمِرًا‘ میں ’ہٖ‘ کے مرجع کی تعیین میں بیضاوی

---

[3]۔ الفراہی، عبد الحمید، نظام القرآن و تاویل الفرقان بالفرقان 1/ 434۔

پر اشکال کرتے ہوئے مولانا فراہی لکھتے ہیں:

''بہ' کی ضمیر کے مرجع اور 'سٰمِرًا' کو واحد لانے کے سلسلہ میں مفسرین کو اشکال پیش آیا ہے۔ بیضاوی اس کے وجوہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ 'بہ' کی ضمیر بیت کے لیے ہے۔ ان کے گھمنڈ اور رعونت کی شہرت کی وجہ سے کہ اس کے نگہبان ہیں، اسے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ یا یہ کہ ضمیر کا مرجع 'آیاتی' ہے جو 'کتابی' کے معنی میں ہے۔ اور 'ب' مستکبرین کا صلہ ہے جس کے معنی مکذبین کے ہیں۔ یا 'ب' سبب کے مفہوم میں ہے۔ اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے خلاف ان کے اندر گھمنڈ قرآن مجید کو سن کر پیدا ہوا یا اس وجہ سے کہ وہ قرآن کی یاددہانی کو قصہ گوئی سمجھتے تھے اور اس کا مذاق اڑاتے تھے۔ 'سامرًا' دراصل مصدر ہے جو 'عافیۃ' کی طرح فاعل کی صورت میں آیا ہے۔ ایک قراءت 'سمرا' کی بھی ہے جو 'سامر' کی جمع ہے۔

یہ تمام وجوہ جنھیں بیضاوی نے بیان کیا ہے، تکلف سے خالی نہیں ہیں۔ ان سب کے مقابلہ میں بہتر تاویل یہ ہے کہ 'سامرًا' کو 'تھجرون' کا مفعول قرار دیا جائے۔ یعنی میری آیتوں کو سننے سے تمھارا گھمنڈ کرتے ہوئے منہ پھیر کر چل دینا تمھاری ایسی حالت کو ظاہر کرتا ہے گویا کسی افسانہ کی محفل کو چھوڑ کر جا رہے ہو اور اس کی باتوں کی تمھیں مطلق پروا نہیں۔ بعد کی آیت اسی مفہوم کو واضح کر رہی ہے۔ دوسری تاویل جو اس سے قریب ہے، یہ ہو سکتی ہے کہ 'بہ' کو 'سامرًا' سے متعلق مانا جائے۔ ضمیر کو مذکر لانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ پیغمبر کی سنائی ہوئی باتوں کو وہ آیات الٰہی نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کسی قصہ گو کی کہانی سمجھتے تھے۔ یہ دونوں تاویلیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ واللہ اعلم۔''[4]

مولانا امانت اللہ اصلاحی نے تعلیقات کے اردو ترجمہ ''امام فراہی کے قرآنی حواشی'' میں اس جگہ قوسین کے اندر لکھا ہے:

''غالباً صحیح تاویل یہ ہے کہ ضمیر مذکر کا مرجع 'آیاتی' ہے جو 'تتلی' سے مفہوم ہو رہا ہے اور وہی 'سامرًا' سے مراد ہے جو اسم فاعل مفرد ہے نہ کہ مصدر اور جمع کی قراءت مرجوح

[4]۔ الفراہی، تعلیقات 1/ 434۔

ہے۔"[5]

22۔ سورۃ العنکبوت، آیت 22، 19 'اَوَ لَمۡ یَرَوۡا کَیۡفَ یُبۡدِئُ اللّٰہُ الۡخَلۡقَ ثُمَّ یُعِیۡدُہٗ... وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ' کی تشریح میں مولانا فراہی لکھتے ہیں:

"یہ محکم جملہ اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ قوموں کے ساتھ عدل کا معاملہ کیا۔ چنانچہ مفسدین کو عذاب سے دوچار کیا اور مومنین پر رحم فرمایا۔ اس کے سوا کوئی کارساز اور مددگار نہیں، اس لیے صرف اسی پر ان کو بھروسا کرنا چاہیے۔ رہی یہ بات کہ وہ بغیر کسی سبب کے جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم کرتا ہے تو اس طرح کی غلط تاویل سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے جو نظم کو کاٹنے والی اور محکم تاویل کو درکنار کرنے والی ہے۔"[6]

23۔ سورۃ الاحزاب، آیت 72 'اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ الۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوۡمًا جَہُوۡلًا' کی تشریح میں مولانا فراہی تحریر کرتے ہیں:

"... اگر آزمایش نہ رکھی گئی ہوتی اور امانت کو پورا کرنے کا معاملہ نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سب سے بڑا پہلو مخفی اور معطل پڑا رہتا۔ پس اس حقیقت پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے اسے نہیں سمجھا وہ جبر محض کے گڑھے میں جا گرے۔"[7]

24۔ سورۂ فاطر، آیت 8 'اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَہٗ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا ؕ فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ' کی تشریح کے ضمن میں مولانا فراہی رقم طراز ہیں:

"آیت کریمہ میں محذوف مقدر کو سمجھنے میں مفسرین سے شدید تسامح ہوا ہے۔ اسی قسم کی یہ آیت بھی ہے 'اَفَمَنۡ زُیِّنَ لَہٗ سُوۡٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا فَاِنَّ اللّٰہَ یُضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ فَلَا تَذۡہَبۡ نَفۡسُکَ عَلَیۡہِمۡ حَسَرٰتٍ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌۢ بِمَا یَصۡنَعُوۡنَ' یعنی اللہ نے اپنے علم کی

---

[5]۔ فراہی، قرآنی حواشی 327۔

[6]۔ الفراہی، عبدالحمید، تعلیقات فی تفسیر القرآن الکریم 2853۔

[7]۔ الفراہی، تعلیقات 2/99۔

بنیاد پر جس شخص کو گم راہ کر دیا اور اس کے دل اور کان پر مہر لگا دی اور اس کی بصارت پر پردہ ڈال دیا، کیا تم اسے ہدایت دے سکتے ہو؟ اللہ کے بعد اسے کون ہدایت سے سرفراز کر سکتا ہے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟''[8]

تعلیقات کے اردو ترجمہ ''مولانا فراہی کے قرآنی حواشی'' میں نامعلوم کن وجوہات کی بنیاد پر اس پوری عربی عبارت کے ترجمہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔[9]

25۔ سورۂ فاطر، آیت 22 'اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ' کی تشریح میں مولانا فراہی لکھتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ جو لوگ قبر میں ہیں وہ سنتے نہیں، البتہ اللہ جس کو چاہتا ہے اسے سناتا ہے، جیسا کہ اس آیت میں صراحت ہے۔ چنانچہ ان میں سے جو بھی سنتا ہے وہ اللہ کے حکم سے سنتا ہے۔''[10]

26۔ سورۂ ص، آیت 24 'وَ ظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَ خَرَّ رَاكِعًا وَّ اَنَابَ' کے ضمن میں مولانا فراہی تحریر کرتے ہیں:

''حضرت داؤد علیہ السلام کے آزمائے جانے کے سلسلے میں مورخین نے فضول قسم کا قصہ تراش لیا ہے۔[11] جب کہ واقعہ کی اصل صورت یہ ہے کہ ایک مال دار بھائی نے اپنے دوسرے کمزور پڑوسی بھائی کی ایک دنبی کو اپنی دنبیوں میں شامل کرنے کی خواہش ظاہر کی اور یہ ایسی بات ہے جو اہل ثروت کے مزاج میں غالب عنصر کی حیثیت سے پائی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں بھیڑ، دنبے مال و دولت کی نشانی سمجھے جاتے تھے اور ان پر دنبی کی شکل کا ٹھپا لگاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے سکوں پر انھی کی تصویر بنی ہوئی تھی اور اسے نعجہ ہی کے نام سے موسوم بھی کرتے تھے۔''[12]

---

[8]۔ ایضاً 2/116۔

[9]۔ فراہی، قرآنی حواشی 404۔

[10]۔ الفراہی، تعلیقات 2/119۔

[11]۔ طبری، ابن جریر جامع البیان 9/604-597۔

[12]۔ الفراہی، تعلیقات 2/147۔

ابن جریر نے بھی یہاں آیت کی تشریح میں متعدد تفسیری روایات نقل کر دی ہیں اور ان کے استناد سے کوئی بحث نہیں کی ہے۔ تفسیر طبری کے فاضل محقق منصور عبدالحمید نے حاشیہ میں ان تفسیری روایات کے بے اصل اور ضعیف ہونے کی صراحت کر دی ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج تک بعض تفسیری کتب میں یہ ضعیف اور بے اصل روایات نقل در نقل ہوتی چلی آ رہی ہیں اور ان کے ضعف سے اغماض برتا جاتا ہے۔

27۔ سورۃ الشوریٰ، آیت 23 'قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى' کی تشریح میں مولانا فراہی لکھتے ہیں:

> "صلہ کی طلب رکھنا انبیا کی شان کے خلاف ہے جیسا کہ سورۃ الشعرا کی ان آیتوں میں آپ دیکھ سکتے ہیں جو حضرت نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کی زبانی بیان ہوئی ہیں... یہ 'اجراً' سے استثنا نہیں ہے، بلکہ استدراک کے طور پر ہے۔ 'فِي الْقُرْبٰى' کے معنی ہیں قرابت داری کے پہلو سے جیسے 'الحب فی اللہ' کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے بعض فرقے آیت کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذوی القربیٰ سے محبت رکھنے کا مطالبہ کیا۔ یعنی مضاف مقدر ہے۔ اس مفہوم کا نہ تو لفظ ساتھ دے رہا ہے کیونکہ مودت کا صلہ نہیں آتا اور نہ ہی عقل اس کو قبول کر سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض قریبی اعزہ اللہ کے سخت دشمن تھے اور آپ جانتے ہیں کہ پیغمبر لوگوں سے کبھی کسی اجر کے طالب نہیں ہوتے۔"[13]

خلاصہ

مذکورہ مثالوں سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نظم قرآن کا جو فلسفہ مولانا فراہی کے پیش نظر تھا اور انھوں نے تفسیر قرآن بالقرآن کا جو خصوصی التزام کیا تھا اس کی وجہ سے آیت کا صحیح مدعا و مفہوم اور اس کی صحیح تاویل ان کے سامنے بالکل واضح ہو جاتی تھی۔ اس کے برعکس تفسیری روایات آیت کی تاویل و توجیہ کو بعض اوقات بالکل دوسرے رخ پر ڈال دیتی تھیں اور ان کی وجہ سے مفسرین کو آیت کے فہم میں دشواری پیش آتی تھی۔ تفسیری روایات پر بالکلیہ انحصار اور نظم کلام کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے ہی مفسرین نے قصۂ داؤد و سلیمان اور حضرت زینب کے سلسلے

---

[13] ۔ ایضاً 2/209۔

میں ایسی بے سر و پا روایات تفسیر کی کتابوں میں نقل کر دی ہیں جن کا بطلان بالکل واضح ہے، لیکن ابن جریر طبری ان روایات کو بغیر کسی تبصرہ کے نقل کر دیتے ہیں۔ امام فراہی نے اس طرح کی تفسیری روایات کو ناقابل التفات قرار دیا ہے اور متعدد مقامات پر اس ضمن میں ابن جریر طبری کی گرفت کی ہے۔ اسی طرح بعض آیات کی توجیہ کے سلسلہ میں امام رازی پر بھی نقد کیا ہے۔ شاہ عبد القادر دہلوی رحمہ اللہ سے بھی بعض آیات کی تشریح میں تسامح ہوا ہے، امام فراہی نے اس کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے۔ اسی طرح بعض آیات میں وارد مفردات کی تشریح، نحوی تراکیب نیز آیت کی تفسیر و تاویل میں زمخشری اور بیضاوی جیسے مفسرین کو اشکال پیش آیا ہے تو امام فراہی نے اس کی صحیح توجیہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ البتہ یہ ضروری نہیں ہے کہ مولانا فراہی نے ان مفسرین کے جن تسامحات کی نشان دہی کی ہے ان کی حیثیت واقعی تسامحات کی ہو۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امام فراہی کے قرآنی حواشی کے عربی اور اردو نسخہ کے مابین تقابل کرنے پر متعدد ایسے مقامات سامنے آتے ہیں جہاں عربی حواشی میں تو امام فراہی کی تنقید کا ذکر ہے، لیکن اردو کے حواشی میں انھیں حذف کر دیا گیا ہے اور صرف آیت کی تشریح پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر مولانا امانت اللہ اصلاحی نے قوسین کے اندر نحوی تراکیب یا مرجع کی تعیین وغیرہ کرتے ہوئے مفسرین کی رائے کو راجح قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حواشی کی حیثیت محض یادداشت کی تھی اور مولانا فراہی کی زندگی نے وفا کی ہوتی تو ممکن تھا کہ وہ اس پر نظر ثانی کرتے اور اس میں درج بعض آرا سے رجوع بھی کرتے۔ اس لیے کہ غور و فکر ان کا مستقل وظیفۂ حیات تھا۔ لیکن عمر عزیز نے ان کو اتنی مہلت نہیں دی کہ وہ اپنا تفسیری کام مکمل کر سکتے۔ ان حواشی کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ تفسیر ماثور کا پورا سرمایہ امام فراہی کی نظر میں تھا اور وہ تفسیری روایات کی حقیقت سے اچھی طرح واقف تھے اور آیت کے صحیح مفہوم تک پہنچنے کے لیے تفسیر القرآن بالقرآن کا اہتمام کرتے ہوئے نظم کلام کی رعایت کو ضروری خیال کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تفسیر میں احادیث بہت کم آ سکی ہیں، لیکن اس کی وجہ سے ان پر استخفاف حدیث کا الزام عائد کرنا قرین انصاف نہیں ہے۔ انھوں نے اپنے مقدمہ میں خود یہ صراحت کر دی ہے:

”میرے پیش نظر تو ایک ایسی کتاب کی تالیف ہے جو بنیاد اور مرکز کا کام دے اور جو نقطۂ اعتدال

اور قول فیصل کی حیثیت سے نمودار ہو۔ اس لیے میں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا کیا ہے جتنا قرآن میں ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ جو کچھ میں نے چھوڑ دیا ہے اس کا منکر ہوں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب میں صرف وہ روایتیں جمع کی ہیں جو ان کے اصولوں پر پوری اتری ہیں اور بہت سی صحیح روایتیں چھوڑ دی ہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ان کے منکر ہیں۔"[14]

[14]۔ فراہی، حمید الدین، تفسیر نظام القرآن 36۔

علامہ شبیر احمد ازہر میرٹھی

وفات سلیمان علیہ السلام*

[یہ مضمون دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ فروری 2024 کے شمارے میں ہماری کوتاہی کے باعث اس کے بعض اجزا شائع ہونے سے رہ گئے تھے۔ اس پر ہم فاضل مصنف اور اپنے معزز قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ ادارہ]

جنات پر حضرت سلیمان کا زندگی بھر تسلط رہا۔ متعدد سرکش شیاطین کو آپ نے زنجیروں میں جکڑوا کر قید بھی کر دیا تھا جیسا کہ سورۂ ص میں ہے 'وَّاٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ' آخر وقت تک کوئی بڑے سے بڑا عفریت بھی آپ کے خلاف دم نہ مار سکا۔ مگر جب آپ کی وفات ہو گئی تو قیدی شیاطین کو قید سے اور مشغول خدمات جنات کو خدمت و چاکری سے نجات مل گئی۔ انھیں آپ کی وفات کا بروقت پتا نہ لگ سکا تھا کیونکہ وہ اطراف مملکت میں قلعوں اور بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر میں لگے ہوئے تھے۔ مگر جب انھیں مملکت میں پھیلی ہوئی بدنظمی کا احساس ہوا جو حضرت سلیمان

* ماخوذ از تفسیر سورۂ فاطر، مفتاح القرآن، چوتھی جلد زیر ترتیب۔

کے ناخلف جانشین ”رجعام“ کے تخت نشین ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہو گئی تھی، جیسے ہندوستان میں بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ کی وسیع و مستحکم سلطنت اس کے ناخلف جانشین ’معظم شاہ‘ کی وجہ سے کم زور و پارہ پارہ اور بد نظمیوں کا شکار ہوئی اور جیسے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وسیع سلطنت ان کے فرزند یزید سے نہ سنبھل سکی، تو جنات نے اس بد نظمی کا سبب معلوم کیا تو پتا چلا کہ حضرت سلیمان وفات پا گئے ہیں اور ان کا بیٹا رجعام ان کی جگہ تخت نشین ہو گیا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی وہ متعلقہ خدمات سے دست بردار ہو گئے اور اپنے ہم قوم قیدیوں کو بھی قید و بند سے نکال لے گئے۔ انھیں رہ رہ کر افسوس ہوتا تھا کہ سلیمان کے مر جانے کا ہمیں بر وقت علم ہو جاتا تو اتنے دنوں تک یہ تکلیفیں ہم نہ اٹھاتے۔ ناخلفی و ضرر رسانی میں حضرت سلیمان کا بیٹا رجعام دیمک یا گھن کی طرح تھا جو حضرت سلیمان کی لاٹھی یعنی اقتدار کو کھا کر خاک میں ملا رہا تھا۔ نتیجہ یہی ہوا کہ سلیمانی اقتدار کا وہ فلک بوس محل دھڑام سے زمین پر آ گرا۔ ایک مملکت دو حریف مملکتوں میں بدل گئی یہودیہ اور اسرائیل۔ اور توحید کو چھوڑ کر دونوں مملکتوں کے یہودی باشندے شرک اور فسق و فجور کی دلدل میں گرتے چلے گئے۔ بالآخر اولاً اسرائیل پھر یہودیہ دونوں ریاستیں صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں۔

الغرض مشغول خدمت جنات کو حضرت سلیمان کی وفات کا پتا اس زمین کے کیڑے رجعام سے لگا تھا جو اپنے باپ کے بے نظیر اقتدار کو گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ .(السباء14:34)

”پس جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ نافذ کر دیا تو انھیں یعنی جنات کو اس کی موت کا سراغ زمین کے کیڑے نے ہی دیا جو اس کی لاٹھی کو کھا رہا تھا۔ پس جب وہ گر گیا تو جن متفرق ہو گئے۔ اس لیے کہ اگر وہ آنکھوں سے اوجھل بات جانتے ہوتے تو ذلیل کر دینے والے دکھ میں نہ رہتے۔“

(تنبیہ) میں سمجھتا ہوں کہ اس ارشاد میں بطور استعارہ ’دابۃ الارض‘ سے مراد حضرت سلیمان

کا نالائق بیٹا رجعام ہے جو ان کی وفات کے بعد سلطنت کا وارث ہوا تھا۔ بطور استعارہ جیسے بہادر مرد کو اسد (شیر) کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک پست حوصلہ و ضرر رساں شخص کو 'دابۃ الارض' کہا گیا ہے اور عصا یا 'مِنْسأۃ' (لاٹھی) کا اقتدار کے معنی میں استعارہ معروف ہے۔ اور 'تَبَیَّنَتْ' بمعنی 'تَفَرَّقَتْ' ہے۔ اس کا ماخذ 'بَیْن' بمعنی جدائی ہے اور 'الغَیْب' سے مراد حضرت سلیمان کی وفات کا علم ہے جو جنات کو بروقت حاصل نہ ہوا تھا، اس لیے کہ وہ دارالسلطنت یعنی یروشلم سے دور دراز مقامات پر تعمیری خدمات میں مشغول تھے۔

بے شک میری ذکر کردہ یہ تفسیر دیگر مفسرین سے مختلف ہے، لیکن تقابل سے ثابت ہو گا کہ اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے جو میں نے تحریر کی ہے۔ والحمد للّٰہ علی ذلك

یہاں میں مثال کے طور پر مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان نقل کر کے زیر نقد لانا چاہتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔ موصوف نے لکھا ہے:

> ''حضرت سلیمان جنوں کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی تجدید کرا رہے تھے۔ جب معلوم کیا کہ میری موت آ پہنچی، جنوں کو نقشہ بتا کر آپ ایک شیشہ کے مکان میں دربند کر کے عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے، جیسا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی حالت میں فرشتہ نے روح قبض کر لی اور آپ کی نعش مبارک لکڑی کے سہارے کھڑی رہی۔ کسی کو آپ کی وفات کا احساس نہ ہو سکا۔ وفات کے بعد مدت تک جن بدستور تعمیر کرتے رہے۔ جب تعمیر پوری ہو گئی تو جس عصا پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، وہ گھن کے کھانے سے گرا۔ تب سب کو وفات کا حال معلوم ہوا۔ اس سے جنات پر خود اپنی غیب دانی کی حقیقت کھل گئی اور ان کے معتقد انسانوں کو بھی پتا لگ گیا کہ اگر انھیں غیب کی خبر رہتی تو کیا اس ذلت آمیز تکلیف میں پڑے رہتے۔ حضرت سلیمان کی وفات کو محسوس کرتے ہی کام چھوڑ دیتے۔'' (انتھی)

لیکن باور کرنا چاہیے کہ یہ تابعین یا اتباع تابعین کے دور کے کسی افسانہ ساز شخص کی گھڑی ہوئی کہانی ہے جو بدونِ تحقیق نقل ہوتی آ رہی ہے۔ اس کہانی کے غلط ہونے کے دلائل یہ ہیں:

(الف) سابق انبیاے کرام کے حالات جان سکنے کے دو ہی ذریعے ہیں: اول یہ کہ وہ قرآن مجید یا صحیح حدیث میں مذکور ہوں۔ دوم یہ کہ اسرائیلی صحیفوں میں ان کا ذکر ہو۔ پہلا ذریعہ یقینی ہے اور دوسرا ظنی۔ اور جو کہانی کسی نبی کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزری ہوئی

کسی مشہور اسرائیلی شخصیت کے بارے میں نہ قرآن و حدیث میں موجود ہو نہ اسرائیلی صحیفوں میں مذکور ہو یقیناً وہ غلط ہے اور یہ قصہ ایسا ہی ہے کہ نہ قرآن میں ہے، نہ حدیث میں، نہ بائیبل میں۔

(ب) حضرت سلیمان علیہ السلام کسی جنگل میں سب سے الگ تھلگ رہنے والے تارک الدنیا درویش نہ تھے کہ آپ کی بیماری و وفات کا حال مدت تک مخفی رہ جاتا۔ آپ کے محل میں بیویاں تھیں، کنیزیں تھیں، خدام تھے۔ ناممکن ہے کہ وہ سب آپ سے ایسے غیر متعلق رہتے ہوں کہ وفات کے بعد بھی طویل مدت تک ان میں سے کسی کو آپ کی وفات کا پتا نہ چلے۔

(ج) یہ کہنا کہ آپ کی عادت تھی کہ مہینوں خلوت میں رہ کر عبادت کیا کرتے تھے، محتاج ثبوت ہے۔ کیا یہ بات قرآن میں مذکور ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہے؟ قطعاً نہیں، تو کیا بائیبل میں یا اور کسی اسرائیلی صحیفہ میں اس کا ذکر ہے؟ قطعاً نہیں، لا محالہ یہ بے ثبوت بات ہے۔ اور عقل سلیم اسے باور نہیں کر سکتی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام مہینوں اس طرح خلوت گزیں ہو جاتے ہوں کہ ان دنوں میں نہ کوئی شخص آپ سے ملتا تھا نہ آپ کسی دنیوی چیز سے تعلق رکھتے تھے، نہ کھانا نہ پینا، نہ بول و براز، نہ سونا نہ لیٹنا بس لگاتار ہر وقت مصروف عبادت رہنا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان سلطنت کا فرماں روا بنایا تھا۔ عدل کے ساتھ دارِ حکومت دینا اور رعیت کی خبر گیری کرنا آپ کا فرض منصبی تھا، محال تھا کہ آپ مہینوں اس فریضہ سے غافل رہیں اور خود کو "نیکی برباد گناہ لازم" کا مصداق بنائیں۔ اطراف مملکت سے زائرین اور دیگر ممالک سے وفود برابر آپ کی خدمت میں آتے رہتے تھے۔ مہینوں ان سے صرف نظر کرنا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔

(د) یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص لاٹھی کا سہارا لیے ہوئے کھڑا ہو اور اسی حالت میں اسے موت آجائے اور مر جانے کے بعد اس کا جسم اسی طرح لاٹھی کے سہارے کھڑا رہے۔ کیونکہ جانکنی کے وقت تھوڑی یا بہت جسم میں حرکت ضرور ہوتی ہے اور خفیف سی حرکت بھی توازن ختم کر ڈالے گی لا محالہ وہ جسم گر جائے گا۔

(ہ) حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بھی جن جن ہی تھے یعنی عام انسانوں کی نگاہوں سے مستور و پوشیدہ۔ یہ سمجھنا کہ آپ کے زمانہ میں جن وانس کے درمیان میل جول تھا قطعاً بے تکی

بات ہے۔

(و) یہود اگرچہ حضرت سلیمان کو انبیاے کرام کی فہرت میں شامل نہیں کرتے، لیکن انھیں زبردست حکمران اور نہایت خرد مند و حکیم و عالی جاہ بادشاہ تو مانتے ہیں۔ ان کی عظمت شان پر دلالت کرنے والی بہت سی باتیں اور ان کو پیش آنے والے احوال و کوائف یہود نے صحیفوں میں لکھے ہیں۔ اگر حضرت سلیمان کی وفات اس طرح شیشے سے بنے ہوئے مکان میں ہوئی ہوتی اور مدت تک ان کی لاش لاٹھی کے سہارے اس میں کھڑی رہتی اور ایک عرصۂ دراز تک ان کی وفات کا کسی کو علم نہ ہوا ہوتا تو یہ بڑا اہم اور عجیب واقعہ ہوتا۔ لا محالہ یہود اسے اور بھی نمک مرچ لگا کر اور بڑھا چڑھا کر لکھتے۔ لیکن اسرائیلی صحیفوں میں اس کا کوئی ذکر نہیں تو یہ اس حقیقت کی قطعی دلیل ہے کہ سرے سے یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ بس بعض افسانہ ساز لوگوں نے اسے گھڑ کر مسلمانوں میں پھیلانے کا جرم کیا ہے۔

چنانچہ بائیبل میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کی کوئی تفصیل درج نہیں بس سرسری طور پر ان کی وفات کا تذکرہ کر دیا گیا ہے۔ ”اور وہ مدت جس میں سلیمان نے یروشلیم میں سب اسرائیل پر سلطنت کی، چالیس برس کی تھی اور سلیمان اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا اور اپنے باپ داؤد کے شہر میں دفن ہوا اور اس کا بیٹا رجعام اس کی جگہ بادشاہ ہوا۔“ (باب 11 آیت: 42-43، عہد نامہ قدیم، ص 342) اور تواریخ میں یوں آیا ہے: ”اور سلیمان نے یروشلیم میں سارے اسرائیل پر چالیس برس سلطنت کی اور سلیمان اپنے باپ دادا کے ساتھ سو گیا اور اپنے باپ داؤد کے شہر میں دفن ہوا اور اس کا بیٹا رجعام اس کی جگہ سلطنت کرنے لگا۔“ (باب 9 آیت 13، تواریخ، عہد نامہ قدیم، ص 432) اس پر بھی غور کیا جائے کہ بائیبل میں دونوں جگہ ان کی وفات اور دفن ہونے کا ذکر ہے جیسا کہ ان اقتباسات سے ظاہر ہے۔

نعیم احمد بلوچ

حیاتِ امین

(سوانح مولانا امین احسن اصلاحی)

(7)

[صاحب تدبر قرآن کی وصیت کے مطابق
ان کے سوانح نگار نعیم احمد بلوچ کے قلم سے]

مولانا امین احسن اصلاحی کی زندگی کے جس دور کا تعلق امام حمید الدین فراہی کے تلمذ سے ہے، اس میں سب سے زیادہ اہم واقعہ ان کے استاد محترم کے سانحۂ ارتحال کا ہے۔ انھوں نے 11 نومبر 1930 کو متھرا میں وفات پائی۔

ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے اس موضوع پر بہت سی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ اس میں کئی روایات باہم متصادم ہیں اور سارا واقعہ بہت مبہم طریقے سے بیان ہوا ہے، جسے انھوں نے تسلیم بھی کیا ہے۔ ہم ان روایات اور مولانا اصلاحی کی ہم سے بیان کردہ یادداشتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس واقعے کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

امام فراہی کے سانحۂ ارتحال پر مولانا اصلاحی کے تاثرات

امام فراہی کی عمومی صحت بہت اچھی تھی۔ وہ باقاعدگی سے ورزش کرتے تھے۔ اس لیے عام

طور پر وہ معمولات زندگی میں بڑے ہشاش بشاش رہتے تھے، مگر ان کو دو عارضے لاحق ہو جاتے تھے۔ ایک سر درد اور دوسرا گردے میں پتھری کا بن جانا۔ سر درد کی شدت انھیں کام نہ کرنے دیتی اور گردے میں پتھری سے انھیں پیشاب کے رک جانے کی تکلیف ہوتی۔

گردے میں تکلیف کا سب سے پہلے اس وقت علم ہوا جب وہ حیدرآباد میں تھے۔ امام فراہی اپنی تکلیف پر بہت صبر کرنے والے تھے۔ حتی المقدور برداشت کرتے۔

لیکن نومبر 1930 کو ہونے والی تکلیف برداشت سے باہر تھی۔ وہ متھرا میں سرکاری اسپتال میں داخل ہو گئے۔ وہاں ان کے بھروسے کے معالج ڈاکٹر حفیظ اللہ سرجن تھے۔ وہ امام فراہی کے علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور ان سے ان کے ذاتی مراسم بھی تھے۔ ڈاکٹر صاحب حافظ قرآن بھی تھے اور عمر میں امام فراہی سے خاصے چھوٹے تھے۔ وہ امام کی علمی عظمت اور بلندئ کردار کے بہت مداح تھے۔

امام فراہی کے لیے دعاے صحت اور شرابی کی پیشن گوئی

امام فراہی اپنے علاقے کے ایک معروف صاحب علم تھے اور پھر مدرسۃ الاصلاح کے صدر مدرس بھی۔ ان کے اسپتال میں داخلے کے بعد مدرسے میں روز عصر کے وقت دعا کی جاتی۔ لوگ کنکریوں پر آیت کریمہ لا الہ الاّ انت سبحانك پڑھتے اور پھر دعا کی جاتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں عام لوگ بھی شریک ہو جاتے تھے۔ ایک مجذوب قسم کے شخص جن کا نام محسن تھا، وہ بھی اس دعا میں شریک ہوتے۔ انھیں شراب کی بھی لت تھی۔ عام طور پر لوگ ان سے نفرت اور حقارت کا سلوک کرتے، لیکن امام فراہی ان سے بہت شفقت فرماتے۔ ان کو اپنا دوست قرار دیتے اور ان سے گفتگو فرماتے اور ان کی محرومیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے ان سے ہم دردی کرتے اور اصلاح احوال کی بھی کوشش کرتے تھے۔ اس نے ترنگ میں آکر ایک دفعہ کہا کہ آپ کی وفات کفرستان میں ہو گی۔

ان کی دوستی کی وجہ سے لوگوں نے اسے امام کی بیماری کی خبر دی۔ اور وہ بھی نہا دھو کر دعا کی محفل میں شریک ہو جاتا۔ امام فراہی کے انتقال کی خبر پہنچنے سے ایک دن پہلے وہ وہاں مجلس میں بیٹھا بیٹھا اٹھ گیا اور کنکریاں پھینک کر کہنے لگا کہ اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ تو اب اناروں کے

باغ میں ٹہل رہے ہیں۔ اس کے بعد اگلے ہی دن امام کی وفات کی خبر آگئی۔

عجیب خواب

امام فراہی کی وفات کے حوالے سے دو خواب خود امام فراہی سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے پہلے خواب کی روایت ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی نے کی ہے۔ یہ ہم انھی کے الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

مولوی پرواز اصلاحی راوی ہیں کہ ان کے والد مولوی محمد شفیع صاحب نے ان سے بیان کیا کہ مولانا فراہی نے موت سے کچھ عرصہ قبل مولوی شفیع صاحب سے اپنا ایک خواب بیان کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ شری کرشن جی مجھے ہار پیش کر رہے ہیں اور میں نے یہ ہار قبول کر لیا ہے۔ مولوی شفیع صاحب نے اس وقت تو اس خواب کی طرف کوئی توجہ نہ دی، مگر کچھ دنوں بعد جب مولانا علاج کے لیے متھرا گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا تو مولوی شفیع صاحب نے لوگوں سے مولانا فراہی کے اس خواب کو نقل کیا۔

یاد رہے کہ متھرا ہندو روایت کے مطابق دیوتا شری کرشن جی کی جنم بھومی ہے اور وہاں ان کے تین بڑے مندر ہیں۔ شری کرشن ہندوؤں کے نزدیک رحم، محبت اور مغفرت کا خدائی اوتار ہیں۔ خواب کا مطلب یہ ہے کہ امام فراہی کا انتقال متھرا میں ہو گا۔ لیکن دل چسپ امر یہ ہے کہ اس خواب کے باوجود امام فراہی نے متھرا کے اسپتال میں داخل ہونے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

امام فراہی نے اپنے انتقال کے عین کچھ دن قبل ایک اور خواب دیکھا۔ انھوں نے یہ خواب اپنے ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب سے بیان کیا۔ بتایا کہ میں نے دیکھا کہ ملک الموت آئے ہیں۔ مجھ سے کہا کہ السلام علیکم۔ میں آپ کی روح قبض کرنے آیا ہوں۔ مولانا نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد وہ چلے گئے۔ انھوں نے ملک الموت کا حلیہ بیان کیا۔ اسے سن کر ڈاکٹر صاحب بولے کہ یہ تو گویا میں ہی ہوں۔

یہ بھی بڑا حیرت انگیز خواب ہے۔ اسے دیکھنے اور ڈاکٹر حفیظ اللہ کے کہنے کے باوجود کہ ملک الموت کی شکل میں آپ نے مجھے ہی دیکھا تھا، انھوں نے کوئی رد عمل نہیں دیا۔ اس خواب کے بعد ہی کسی

دن ان کا وہ آپریشن ہوا جو ناکام ہوا۔

میں نے اس موقع پر مولانا اصلاحی سے پوچھا تھا کہ امام فراہی نے حلیہ تو ڈاکٹر حفیظ اللہ کا دیکھا، لیکن اسے ملک الموت قرار دیا۔ بات سمجھ میں نہیں آئی۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ تعارف تو انھوں نے خود اپنا کرایا تھا۔

اسی موقع پر مولانا نے ہمارے سوالوں کے جواب میں سمجھایا کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بتاتے ہیں کہ انھوں نے خواب میں حضور کو دیکھا تو وہ کچھ بھی یقینی نہیں ہوتا۔ صرف صحابۂ کرام جنھوں نے حضور کو پہلے سے دیکھ رکھا ہوتا ہے، اور جو حضور کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، انھی کے کہنے پر یقین کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے حضور نے صحابہ کو فرمایا تھا کہ اگر تم نے مجھے خواب میں دیکھا تو یقیناً مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی سے ہمیں متنبہ رہنا چاہیے کہ جس نے حضور کو نہیں دیکھا اور جو انھیں نہیں پہچانتا، اسے شیطان خواب میں کسی اور کی شکل میں دکھائی دے سکتا ہے کیونکہ وہ حضور کی شکل تو اختیار نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ یہ جھوٹ بولتا ہے کہ میں محمد رسول اللہ ہوں یا خواب دیکھنے والا خود ہی یہ فرض کر لیتا ہے کہ میں حضور کو دیکھ رہا ہوں۔ اس لیے شیطان کے اس بہکاوے میں نہیں آنا چاہیے اور صحابہ کے بعد حضور کو خواب میں دیکھنے کے دعوے محل نظر ہیں۔

ان خوابوں کے علاوہ کچھ خواب دوسرے لوگوں نے بھی دیکھے۔

امام فراہی کے دوسرے اہم ترین شاگرد مولانا اختر احسن اصلاحی نے خواب میں دیکھا کہ ان کے کمرے میں خون ہی خون بکھرا ہوا ہے۔ انھوں نے یہ خواب متعدد لوگوں کو سنایا۔ اس خواب کے دیکھنے کے دوسرے دن امام فراہی کے انتقال کی خبر مدرسے پہنچ گئی۔

مولانا اصلاحی کی متھرا آمد

اس حوالے سے مولانا کی اپنی روایت ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کے الفاظ میں یہ ہے:

”آپریشن ہوا تو مجھے ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب کا تار ملا کہ میں متھرا پہنچوں۔ میں گیا۔ مولانا کی بیگم اور امام کے بیٹے عباد صاحب میرے ساتھ گئے۔ حاجی رشید صاحب (امام فراہی کے بھائی) پہلے ہی پہنچ چکے تھے۔ میں نے سامان برآمدے میں رکھا ہی تھا کہ ڈاکٹر صاحب آئے اور کہا کہ

تم کو مولانا بلا رہے ہیں۔ میں گیا تو دیکھا کہ مولانا فراہی کے چہرے پر کوئی خاص اثر نہیں تھا جو تشویش کا باعث ہوتا۔ آنکھوں میں ویسے ہی سرخ ڈورے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئے، لیکن ڈاکٹر نے انھیں اٹھنے سے روکا نہیں۔ حالانکہ اس حالت میں اٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ بیٹھے بیٹھے مجھے سینے سے لگایا اور بڑی دیر تک سینے سے لگائے رکھا، پھر چھوڑ دیا۔ یہ عادت کے خلاف تھا۔ وہ چھوٹے بڑے، کسی سے معانقہ نہیں کرتے تھے اور اس سے پہلے کبھی میرے ساتھ اس طرح پیش نہیں آئے تھے۔ اس میں اچنبھے کی بات یہ تھی کہ میں اترا ہی تھا کہ کہا کہ امین آ گیا، اس کو بلایئے۔ جب کہ میرے پہنچنے کی اطلاع ان کو نہیں ملی تھی۔ وہ مجھے زیادہ تر امین میاں کہتے تھے۔ میرے اوپر اس وقت کچھ ایسی کیفیت طاری تھی کہ میں نے اس پر غور نہیں کیا، لیکن بعد میں اس کی توجیہ کر لی۔ اپنے ہی ذہن میں رکھا اور کسی کو بتایا نہیں کہ انھوں نے امین ان معنوں میں لیا کہ میرے فکر کا وارث آ گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میرا تاثر ہے کہ میں نے محسوس کیا کہ وہ آپ سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں، اس لیے میں نے آپ کو تار دیا، لیکن انھوں نے بات کوئی نہیں کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے اشارہ کیا اور میں وہاں سے اٹھ آیا۔ اس کے دوسرے دن ہی ان کا انتقال ہوا۔ تعجب ہوا کیونکہ ظاہری آثار سے اس کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مولانا بس ایک دن کے مہمان ہیں۔'' (ذکر فراہی 457-456)

اصل میں مولانا اصلاحی جب متھرا پہنچے تو اس وقت تاثر یہی تھا کہ آپریشن کامیاب ہوا ہے اور مولانا کی طبیعت بھی بظاہر اچھی معلوم ہوتی تھی۔

مولانا ابو اللیث کی روایت ہے کہ مولانا اصلاحی کو اگلے دن جب امام فراہی کی وفات کی خبر پہنچی تو وہ ان کے کمرے میں گئے۔ بستر خون سے لت پت تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ آپریشن کے ٹانکے نکل گئے ہیں اور خون بہت زیادہ بہ گیا ہے۔ اور یہی جان لیوا ثابت ہوا ہے۔ مولانا اصلاحی اس منظر کی تاب نہ لا سکے۔ شاید غصے میں آئے۔ کہنے لگے کہ میرا قضا و قدر پر ایمان نہ ہوتا تو میں ڈاکٹر حفیظ اللہ کو شوٹ کر دیتا۔ ان کا واضح خیال یہی تھا کہ آپریشن میں غلطی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر حفیظ اللہ کے ایک دوسرے بیان سے مولانا اصلاحی کے ان خدشات کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک سرجری تو گردے کی پتھری نکالنے کے لیے کی تھی، مگر اس کے

ساتھ ہی آنت کی بھی سرجری کر دی۔ اس طرح ایک ساتھ دو آپریشن ہونے سے معاملہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اور آپریشن کے دوسرے دن ٹانکے کسی وجہ سے کھل گئے اور مولانا کی موت واقع ہو گئی۔

مولانا اصلاحی نے بیان کیا کہ لوگوں کا اصرار تھا کہ امام فراہی کی تدفین ان کے علاقے میں کی جائے، لیکن امام فراہی متعدد دفعہ بیان کر چکے تھے کہ جو جہاں فوت ہو، وہیں اسے دفنانا چاہیے۔ اسی لیے آخر کار متفق فیصلہ ہوا اور وہ متھرا ہی میں مدفون ہوئے۔

[باقی]

خیال و خامہ

جاوید احمد غامدی

رازداں

فضا خموش، سوادِ فلک ہے تیرہ و تار
کہ لٹ گئی ہے کہیں آبروے چرخِ بریں
نگاہِ قلب کے تاروں میں اختلالِ سرود
مرے وجود میں شاید مرا وجود نہیں

شروعِ وادیِ کاغان میں مقامِ جنوں
مقامِ حاصلِ ایماں، مقامِ الاّ ہو
مری حیاتِ پریشاں کی رفعتوں کا مقام
مری قبائے دریدہ کی آرزوے رفو

یہی مقام ہے اُس کاروانِ حق کا مقام
گواہ جس کی صداقت پہ عصمتِ جبریل

مری نگاہِ تمنا کی جستجو کا کمال
نواحِ مشہدِ احمد، مقامِ اسمٰعیل

میں اِس مقام کے ذروں کو آسماں کہہ دوں
زمیں پہ عرشِ معلّٰی کے راز داں کہہ دوں

شاہد محمود

خبر نامہ ”المورد امریکہ“

[مارچ 2024]

”کیا ابو ظہبی میں مندر بنانا جائز ہے؟“

گذشتہ ماہ غامدی سینٹر کو ابو ظہبی میں مندر کی تعمیر کے حوالے سے ایک سوال موصول ہوا۔ اُس میں یہ پوچھا گیا کہ کیا جزیرہ نماے عرب میں آج بھی غیر مسلموں کی مستقل رہایش اور ان کے مذہبی مقامات بنانا جائز ہے؟ حسن الیاس صاحب نے اِس سوال کا جواب ریکارڈ کرایا۔ قرآن و حدیث کی تصریحات کی روشنی میں اس کا جواب دیتے ہوئے اُنھوں نے کہا کہ ہماری نظر میں ان ممالک میں کسی بھی قسم کی مشرکانہ عبادت گاہ کی تعمیر دینی لحاظ سے ناجائز عمل ہے۔ ہمارے پیغمبر نے، ہمارے خدا کی ہدایت پر اس جزیرہ نماے عرب کو توحید کے لیے خاص کر دیا ہے، لہٰذا وہاں کی مستقل سکونت صرف مسلمانوں کو حاصل ہے، وہاں صرف خدا کا ہی دین ہے جو اپنے شعائر کے ساتھ نمایاں ہو گا، باقی کسی کو اپنی عبادت گاہیں بنانے کی اجازت نہیں۔ یہ جواب دو حصوں پر مشتمل ہے جسے غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

سنڈے اسکول میں پریزنٹیشن ڈے کا اہتمام

گذشتہ ماہ جی سی آئی ایل ایجوکیشن کمیٹی نے 3 اور 4 فروری کو سنڈے اسکول کے تمام لیولز کے

لیے پہلے پریز نٹیشن ڈے کا اہتمام کیا۔ اس میں 170 سے زائد افراد نے شرکت کی، جن میں 18 سیکشنز کے طلبہ، فیکلٹی ممبران، والدین اور مہمان شامل تھے۔ حاضرین کی جانب سے اس تقریب کو خوب پذیرائی حاصل ہوئی۔ اس مقابلے میں طلبہ نے مختلف موضوعات پر اپنی اپنی پریز نٹیشن دی اور بہترین کارکردگی دکھانے والے طلبہ کے لیے انعامات کا اعلان کیا گیا۔ پہلے دن کے مقابلے میں جیتنے والے طلبہ کے نام یہ ہیں: احمد ندیم، عنایہ خان، صفی الرحمٰن، ایمان رحیم، لنٹہ عثمان، شان امام علی، شارق سید، شارق صدیقی اور فتح سہیل۔ دوسرے دن کے مقابلے میں جیتنے والے طلبہ ہیں: رومیزہ فاطمہ، ارمان شہزاد، زیدان خان، دران ایوب، محسن عابدی، ایمان خرم، سید عدیل، وائزہ ارشاد، زائینہ سادات اور زینب علی۔

”عبادات اور تزکیۂ نفس“

منظور الحسن صاحب کا یہ مضمون فروری 2024 کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے عبادات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ کس طرح اللہ کے ساتھ بندے کے قرب کو بڑھاتی ہیں جس کے نتیجے میں انسان کے نفس کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے، یعنی عبادات کے ذریعے سے تزکیۂ نفس اپنے کمال کو پہنچتا ہے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ عبادات میں اولین اور اہم ترین عبادت نماز ہے، جو انسان سے گناہوں کی غلاظت کو دور کر کے اسے پاکیزہ بناتی ہے۔ زکوٰۃ اگرچہ نظم اجتماعی کی ضرورتوں پر خرچ ہوتی ہے، لیکن اس کی حقیقت عبادت کی ہے۔ یہ مال کا وہ حصہ ہے جو مال کے ساتھ ساتھ مال دینے والے کو بھی پاکیزہ بناتا ہے۔ روزہ ضبط نفس کی خاص عبادت اور اطاعتِ الٰہی کا مظہر ہے اور اس کا مقصد تقویٰ اختیار کرنا ہے۔ حج و عمرہ کی عبادت ابلیس سے برسرجنگ ہونے اور اس جنگ میں کامیابی کے حصول کا علامتی اظہار ہیں۔ قربانی بھی اللہ کی پرستش کا اظہار ہے اور اس کا مقصد اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ اس کے نتیجے میں انسان کے اندر تقوے کی نشوونما ہوتی ہے جو اللہ کی خوش نودی کا باعث بنتی ہے۔

لفظِ ”تبیین“ کا مفہوم

گذشتہ ماہ 23 اعتراضات کی ویڈیو سیریز کے موضوع ”حدیث کیا ہے؟“ کی نشستوں میں لفظِ ”تبیین“ کے مختلف معانی پر گفتگو کی گئی۔ اس لفظ کے مفہوم کو کھولتے ہوئے یہ سوال بھی زیر بحث

آیا کہ کیا لفظ تبیین کے مفہوم میں تخصیص، ترمیم، تغیر، اضافہ اور نسخ شامل ہے یا نہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کے ان مقامات کو بھی زیر بحث لایا گیا جہاں تبیین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مزید برآں لفظِ تبیین کے مفہوم کے بارے میں غامدی صاحب کی رائے پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

معز امجد صاحب کی غامدی سینٹر آمد

گذشتہ ماہ معز امجد صاحب غامدی سینٹر کی دعوت پر امریکہ پہنچے۔ معز صاحب غامدی صاحب کے شاگرد اور 1988 سے ان کے ساتھ وابستہ ہیں۔ متعدد کتابوں کے مصنف اور انڈراسٹینڈنگ اسلام کے نام سے ایک ویب سائٹ کے بانی بھی ہیں۔ غامدی سینٹر میں قیام کے دوران میں وہ مختلف علمی و فکری مجالس میں شرکت کے ساتھ ساتھ امریکہ کے مختلف شہروں کا دورہ بھی کریں گے۔ اس کے علاوہ غامدی سینٹر کے اسٹوڈیو میں رمضان کے حوالے سے ایک خصوصی سیریز بھی ریکارڈ کرائیں گے۔

قرآن و حدیث کا ہفتہ وار درس

جنوری 2024 میں غامدی صاحب کے قرآن و حدیث کے لائیو درس میں درس قرآن کی نشستوں میں سورۂ بنی اسرائیل کی 33 تا 41 آیات کا درس دیا گیا، جب کہ درس حدیث کی نشستوں میں ”خوش لباسی اور تکبر“ کے حوالے سے احادیث پر بات ہوئی۔ قرآن و حدیث کے دروس کی یہ نشستیں غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

نعیم بلوچ صاحب کی غامدی سینٹر آمد

نعیم احمد بلوچ صاحب 1981ء سے غامدی صاحب کے مختلف کاموں سے وابستہ ہیں۔ ان دنوں وہ جی سی آئی ایل کے ساتھ بہ طور ایڈیٹر، سکرپٹ رائٹر اور ریسرچر منسلک ہیں۔ غامدی سینٹر میں ان کی آمد کا مقصد ادارے میں مختلف موضوعات پر ریکارڈنگز اور مستقبل کے لیے مختلف پراجیکٹس کی پریزنٹیشن ہے۔ ان کا یہ دورہ 21 فروری سے لے کر یکم اپریل تک ہے۔

”تعلیم کا کاروبار“

ڈاکٹر عرفان شہزاد نے اس مضمون میں ہمارے معاشرے میں تعلیم کے حوالے سے پائے جانے والے اس عمومی خیال کو غلط قرار دیا ہے کہ تعلیم کو کاروبار بنانا کوئی لائق تحسین عمل نہیں ہے۔ اس خیال پر تنقید کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے کہ لوگوں کا عمومی خیال ہے کہ تعلیم و تدریس پیغمبرانہ پیشہ ہے، اس لیے اس کی کوئی اجرت ہی نہیں ہونی چاہیے یا پھر قدرِ ضرورت ہونی چاہیے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ پیغمبروں کا کام خدا کا دین لوگوں تک پہنچانا اور اس کی تعلیم دینا تھا، نہ کہ سائنسی، سماجی علوم اور پیشہ ورانہ مہارتوں کی تعلیم دینا۔ لکھتے ہیں کہ وسائل کی کمی کے سبب سے معیاری تعلیم نہ دلا سکنا افسوس ناک ہے، مگر اس کا علاج نجی تعلیمی اداروں سے ایثار کے مطالبے میں نہیں، وسائل میں اضافے اور سرکاری اسکولوں کے معیار میں بہتری لانے میں ہے۔ یہ مضمون فروری 2024 کے شمارے میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان اور پاکستان میں مذہبی آزادی

گذشتہ ماہ جناب حسن الیاس نے ہندوستان کے ایک ٹی وی چینل کو انٹرویو دیا، جس میں ان سے ہندوستان اور پاکستان میں مذہبی آزادی کے حوالے سے سوال کیا گیا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی مذہبی آزادی کے حوالے سے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے حسن صاحب نے کہا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے نظریات پر عمل کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہے اور وہاں مذہب کے حوالے سے ریاست، معاشرے اور قانون کی سطح پر مسلمانوں پر بہت پابندیاں ہیں، اور پاکستان اور ہندوستان، دونوں ملکوں میں نیشن اسٹیٹ کے اصول کو نہیں اپنایا گیا۔ اس انٹرویو کی ریکارڈنگ غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جا سکتی ہے۔

”اسلام اسٹڈی سرکل“

ڈاکٹر شہزاد سلیم صاحب ”اسلام اسٹڈی سرکل“ کے عنوان سے ایک سیشن میں مختلف دینی، اخلاقی اور سماجی موضوعات پر قرآن و حدیث کی روشنی میں بحث کرتے ہیں۔ یہ سیشن تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ پہلے حصے میں قرآن مجید کی آیات سے ایک موضوع منتخب کر کے اس کی وضاحت

کی جاتی ہے۔ دوسرے حصے میں منتخب احادیث نبوی پر گفتگو ہوتی ہے۔ تیسرے حصے میں بائیبل کے کسی اقتباس کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔ پروگرام کے آخر میں موضوع سے متعلق سوالوں کے جواب بھی دیے جاتے ہیں۔ یہ سیشن انگریزی زبان میں ہوتا ہے۔ ان سیشنز کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

مولانا اصلاحی کے شب و روز کے مشاغل

''حیات امین'' کی گذشتہ ماہ شائع ہونے والی قسط میں نعیم بلوچ صاحب مولانا امین اصلاحی کے امام فراہی سے براہ تلمذ کے مختلف واقعات کا ذکر کرنے کے بعد ان کے شب و روز کے مشاغل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ مولانا صبح تین بجے بیدار ہوتے، نماز تہجد سے فارغ ہو کر پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ مدرسہ میں روزانہ تین سے چار گھنٹے کی تدریس کی مصروفیت رہتی۔ ظہر کی نماز کے بعد کچھ دیر کے لیے مولانا فراہی کے کمرے میں جاتے اور قرآن کے مختلف مقامات کے بارے میں ان سے سوالات کرتے۔ شام کے وقت فٹ بال اور والی بال کھیلنے جاتے۔ جس دن کھیل کا موقع نہ ملتا، اس دن گھنٹا بھر عصر کے بعد سیر ضرور کرتے۔ رات کو پابندی سے نو بجے سو جاتے۔ اس کے علاوہ دن میں نہ سوتے۔ یہ مضمون ''اشراق، امریکہ'' کے فروری 2024 کے شمارے میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر شہزاد سلیم کے متعدد موضوعات پر لیکچرز

Lessons of Life Series کے زیر عنوان ڈاکٹر شہزاد سلیم نے مارچ 2024 میں 4 لیکچرز ریکارڈ کیے، جن کے موضوعات یہ ہیں: ''سب اچھا ہے''، ''ذکر الٰہی''، ''اعتدال کی تلوار''، ''امرا کی آزمایش''۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''انسانیت'' اور ''کامیاب شادی'' پر بھی لیکچرز دیے۔ یہ لیکچرز غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

''تبدیلی کا مذہبی بیانیہ''

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام ہونے والی ہفتہ وار سوال و جواب کی نشست میں ''تبدیلی کا مذہبی بیانیہ'' کے عنوان سے گفتگو کا سلسلہ جاری ہے۔ گذشتہ ماہ اس موضوع کے زیر عنوان ہونے والی

نشستوں میں مذہبی، انقلابی اور سیاسی جماعتوں کے منشور، دعوے اور ان کے عملی نتائج پر گفتگو کی گئی۔ ان نشستوں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

''البیان'' اور ''میزان'' کی انگریزی زبان میں تدریس

گذشتہ ماہ ڈاکٹر شہزاد سلیم نے غامدی صاحب کی تفسیر قرآن ''البیان'' اور اسلام پر ان کی کتاب ''میزان'' پر انگریزی زبان میں 5 لیکچرز ریکارڈ کرائے۔ ''البیان'' کی 4 نشستوں میں سورۂ بقرہ کی آیات 224 تا 260 زیر بحث آئیں، جب کہ ''میزان'' سیریز کے تحت ''The Social Shariah'' کے عنوان سے ایک لیکچر ہوا جس میں طلاق کے مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ یہ لیکچرز غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر دیکھے جاسکتے ہیں۔

''البیان'' ترجمۂ قرآن کی آڈیو بک

غامدی سینٹر کے زیر اہتمام تذکیر بالقرآن پراجیکٹ کے تحت گذشتہ ماہ سورۂ مائدہ اور سورۂ انعام کی آیات 1 تا 55 کی تلاوت اور ترجمہ پیش کیا گیا۔ غامدی صاحب کا ترجمۂ قرآن شاہ نواز صاحب، جب کہ قرآن مجید کی تلاوت مشاری راشد العفاسی کی آواز میں ہے۔ ہر ہفتے اس کی ایک قسط غامدی سینٹر کے یوٹیوب چینل پر نشر کی جاتی ہے۔

Ask Dr. Shehzad Saleem

یہ سوال و جواب کی لائیو ماہانہ نشست ہے، جس میں ڈاکٹر شہزاد سلیم لوگوں کے ذہنوں میں اٹھنے والے مختلف دینی، اخلاقی اور معاشرتی موضوعات سے متعلق سوالوں کے جواب دیتے ہیں۔ اس نشست میں لوگ اردو اور انگریزی، دونوں زبانوں میں اپنے سوال پوچھ سکتے ہیں۔ اس کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر دیکھی جاسکتی ہے۔

''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ''

''علم و حکمت: غامدی کے ساتھ'' دنیا نیوز چینل پاکستان کا ایک معروف پروگرام ہے، جو کئی برس سے نشر ہو رہا ہے۔ یہ ڈیلس میں ریکارڈ ہوتا ہے اور ہفتہ وار نشر ہوتا ہے۔ میزبانی کے فرائض

حسن الیاس صاحب انجام دیتے ہیں۔ فروری 24 میں ”سوال و جواب“ کے عنوان سے ایک پروگرام اور ”اسلامی تہذیب کے بنیادی عناصر“ کے عنوان سے تین پروگرام نشر ہوئے۔ ان پروگراموں میں حفظ فروج، حفظ مراتب، عبودیت، تہذ ہبی حساسیت، تہذ ہبی روایت کی تعلیم، تعلیمی نظام کی خامیاں اور سجدۂ تعظیمی کے حوالے سے گفتگو کی گئی۔ ان پروگراموں کی ریکارڈنگ ادارے کے یوٹیوب چینل پر موجود ہے۔

والدین، نوعمری اور ازدواجی زندگی کے مسائل

شہزاد سلیم صاحب ہر ماہ لوگوں سے آن لائن نجی مشاورتی سیشن کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان سیشنز میں لوگ اپنے مختلف ذاتی اور خاندانی نوعیت کے مسائل میں شہزاد سلیم صاحب سے مشاورت کرتے ہیں۔ گذشتہ ماہ لوگوں نے شہزاد سلیم صاحب سے والدین کو درپیش مشکلات اور نوعمری اور ازدواجی مسائل کے حل کے لیے مشاورت کی۔